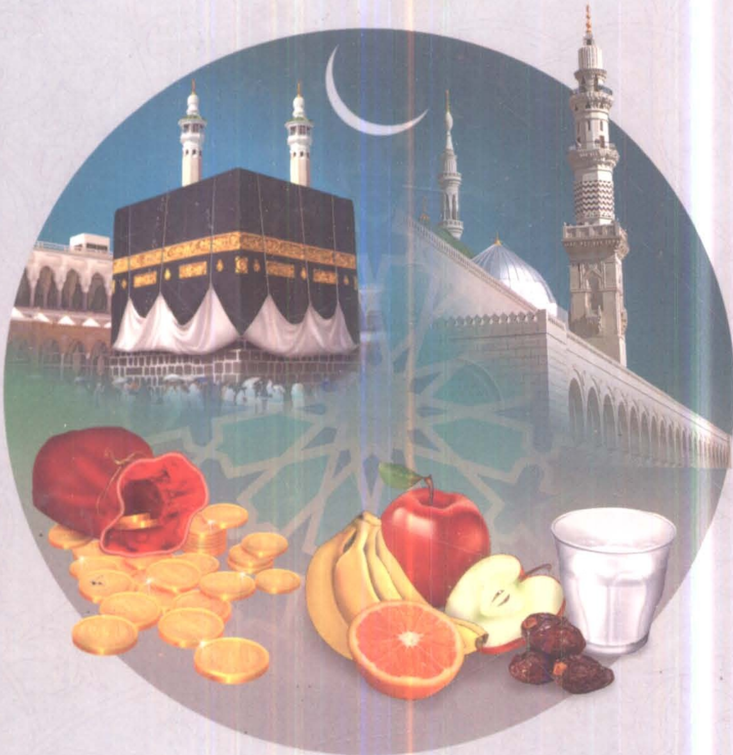
حدیث کی معروف کتاب "اربعین نووی" کی مفصل شرح

اِسلام کے احکام و آداب



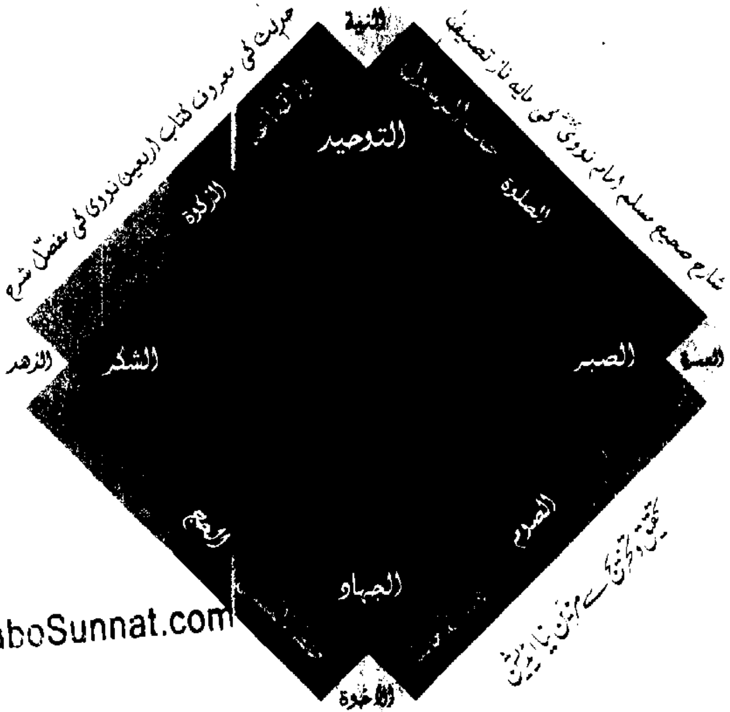


تالیف ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی رحمہ اللہ
ترجمہ و فوائد پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

اسلام کے احکام و آداب



اسلام کے احکام و آداب



تالیف
ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ و فوائد
پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

تحقیق و تخریج
ابوالحسن حافظ عبدالخالق

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک





دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 00966 1 4043432-4033962
فیکس: 4021659 E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

❶ طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945
❷ شارع الاربعین۔ الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
❸ جدّہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270
❹ الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624

لندن فون: 0044 20 85394885 فیکس: 020 85394889

امریکہ ❶ ہیوسٹن فون: 001 713 7220419 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 001 718 6255925 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ مؤن مارکیٹ، اقبال ٹاؤن لاہور، فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) شارع طارق، روڈ بالمقابل ڈرگ روڈ شاپنگ مال، کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

مضامین

تذکرہ امام نووی

اربعین نویسی



اصلاحِ نیت کی ضرورت واہمیت

اسلام، ایمان اور احسان



اعتدال کی راہ

اکلِ حلال، اعمال کی قبولیت کی بنیادی شرط

شبہات سے اجتناب

بامقصد طرز زندگی





اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید

حیا ایمان کا حصہ ہے



ظلم کی حرمت

اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمتیں



عدل و انصاف کا اُلوہی تصور

اللہ کی محبت اور قرب کے ذرائع

اسلام میں مشکلات کا ازالہ



آخرت میں کامیابی کے لیے دنیا سے بے رغبتی

اتباع شریعت، ایمان کی بنیادی شرط ہے

رحمتِ الٰہی کی وسعت





اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا خوب مہربان ہے



عرضِ ناشر

اربعین نویسی، حدیث کے فروغ واشاعت کا ایک مستقل سلسلہ ہے۔ تذکرہ نگاروں کی روایات اور مؤرخین حدیث کی تفصیلات کے مطابق عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ پہلے محدث ہیں جنھوں نے اس فن پر پہلی اربعین مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد اربعین کے سیکڑوں مجموعے اصول دین، عبادات، آداب زندگی، زہد وتقویٰ اور خطبات و جہاد جیسے موضوعات پر مرتب ہوتے رہے۔ ان میں سے ستر مجموعوں کا تذکرہ چھ جلدوں پر مشتمل ایک مستند کتاب ''کشف الظنون'' میں ملتا ہے۔ برصغیر میں بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ سے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی تک اربعین کے بہت سے مجموعے ہمارے سامنے ہیں، تاہم ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ کی اربعین اس سلسلے کی سب سے ممتاز تصنیف ہے۔

اربعین نویسی کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں وہ ہر چند اسانید کے لحاظ سے ضعیف ہیں مگر عمل بالحدیث کے نقطۂ نظر سے ان مرتبات میں بہت مفید مضامین فراہم کیے گئے ہیں۔ خاص طور پر امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی اربعین میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ تمام تر منتخب احادیث روایت اور سند کے اعتبار سے درست ہوں۔ آپ علوم اسلامی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے جس کا بہترین اظہار صحیح مسلم کی اس شرح سے ہوتا ہے جو اہل علم میں استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ ''الاربعین'' کے علاوہ ان کی بیس کے قریب دیگر علمی تصنیفات ان کے عالمانہ قد وقامت کو متعین کرتی ہیں۔

عرضِ ناشر

اربعین نووی کی بیشتر احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ماخوذ ہیں۔ اپنے حسن ترتیب کے لحاظ سے یہ مجموعۂ اربعین عوام و خواص میں قبولیت کا حامل ہے۔ اہل علم نے اس کی متعدد شروحات، حواشی اور تراجم کیے ہیں، مگر اس اربعین کی افادیت متقاضی تھی کہ اس کی ایک جامع، محقق اور مستند شرح اردو میں لکھی جائے جس سے علم و عمل کے متلاشیوں کو پیغام حق ملے۔ محترم سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ نے یہ ضرورت بڑے عالمانہ انداز میں نہایت شگفتہ اسلوب کے ساتھ پوری کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

دارالسلام اس عظیم محدث کی معروف ''الاربعین'' کی تازہ اردو شرح کو جس حُسنِ متن اور طباعتی معیار کے ساتھ پیش کر رہا ہے، اس کے پیش نظر امید واثق ہے کہ اس کاوش کو عام اہل علم، علمائے کرام، دینی مدارس کے شیوخ اور سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ میں ان شاء اللہ العزیز پذیرائی ملے گی۔

اربعین نووی کا زیر نظر تازہ ایڈیشن تسہیل و تفہیم کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کی پروف ریڈنگ، تصحیح اور تیاری کے جملہ مراحل جناب احمد کامران، مولانا محمد عثمان منیب اور جناب محمد فاروق نے سرانجام دیے ہیں۔ اس کے فنی مراحل ڈیزائننگ اور کمپوزنگ وغیرہ میں جناب زاہد سلیم چودھری، محمد عامر رضوان، ہارون الرشید اور ابومصعب نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھرپور محنت کی ہے۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو عامۃ المسلمین کے لیے نافع اور مفید بنائے اور مرتب، مترجم، شارح، ناشر اور منتظمین کے حسنات میں شمار کرے۔ آمین یا رب العالمین!

خادمِ کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام، ریاض - لاہور

شعبان 1427ھ/ستمبر 2006ء



تذکرۂ امام نووی رحمہ اللہ

{631ھ......676ھ}

امام صاحب موصوف کو اللہ کریم نے گوناگوں اوصاف سے نوازا تھا۔ آپ بلند علمی مرتبہ کے حامل تھے۔ اہل علم نے آپ کو ''الامام'' ''الحافظ'' ''شیخ الاسلام'' اور ''محی الدین'' جیسے عظیم القابات سے موصوف کیا ہے۔

- نام: آپ کی کنیت ابوزکریا اور پورا نام یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام ہے۔
- ولادت: آپ محرم 631ھ کو دمشق کے نواحی گاؤں ''نویٰ'' میں پیدا ہوئے۔
- وجۂ تسمیہ: اسی گاؤں کی نسبت سے آپ کو ''نووی'' یا ''نواوی'' کہتے ہیں۔ آپ نام سے زیادہ اسی نسبت سے معروف ہیں۔
- بچپن اور تعلیم: نیک سرشت والدین کی سرپرستی میں آپ اسلامی انداز سے پروان چڑھے۔
- کرامت: ان کے والد کا بیان ہے کہ ان کی عمر سات برس تھی۔ ستائیس رمضان کی شب کو یہ میرے ساتھ سوئے ہوئے تھے کہ آدھی رات کو بیدار ہو گئے، کہنے لگے: ابا جان! یہ کیسی روشنی ہے جو سارے گھر میں پھیلی ہوئی ہے، سب گھر والے بیدار ہو گئے، کسی کو

کچھ نظر نہ آیا۔ کہتے ہیں، ان کی اس بات سے ہمیں یقین ہو گیا کہ آج شبِ قدر ہے۔
آپ بلوغت سے قبل ہی قرآن کریم حفظ کر چکے تھے۔ شب و روز تلاوتِ قرآنِ پاک میں مصروف رہتے۔ آپ کو تلاوت اور حصولِ علم کا بڑا شوق تھا اور کھیل کود سے شدید نفرت تھی۔

امام صاحب کے استاد شیخ یاسین بن یوسف الزرکشی کا بیان ہے: ''ان کی عمر دس برس تھی، میں نے انھیں ''نوی'' میں دیکھا، بچے انھیں کھیلنے پر مجبور کرتے اور یہ روتے ہوئے ان سے دور بھاگ جاتے اور اس حال میں بھی تلاوت کرتے رہتے۔ ان کی معصومیت اور قرآن کی محبت دیکھ کر ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے قرآن پڑھانے والے استاد سے جا کر سفارش کی کہ اس بچے کا خصوصی خیال رکھا کریں، امید ہے یہ بچہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم اور زاہد ہو گا۔ اور لوگ اس کے علم سے فائدہ اٹھائیں گے۔ استاد نے مجھ سے کہا: کیا آپ نجومی ہیں۔ میں نے کہا: نجومی تو نہیں، اس کے آثار ہی کچھ ایسے ہیں۔ اور یہ باتیں مجھ سے اللہ تعالیٰ نے کہلوائی ہیں۔ استاد نے ان باتوں کا ذکر ان کے والد سے کر دیا تو انھوں نے بھی ان پر بھرپور توجہ دی۔

آپ کو حصولِ علم کا اس قدر شوق تھا کہ آپ نے بچپن ہی میں فقہ کی بعض کتابیں پڑھ لی تھیں۔ آپ کے والد نے جب آپ کی قوتِ حافظہ اور تحصیل علم کا شوق دیکھا تو آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے 639ھ کو علم اور اہلِ علم کے مرکز دمشق لے آئے، اور آپ کو ایک مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ وہاں آپ نے فقہ شافعی کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور بعض کتابیں زبانی یاد کر لیں۔ آپ نے اس مدرسے میں قیام کے دوران میں خوب محنت کی اور کبھی جی بھر کر نہ سوئے۔ آپ نے دیگر اہل علم کے علاوہ دمشق کے سب سے بڑے فاضل علامہ کمال الدین المغربی سے بخوبی استفادہ کیا۔



■ تنگدستی وسادگی: آپ نے طالب علم کا زمانہ بڑی تنگدستی کے عالم میں بسر کیا، لیکن طلب حدیث اور حصولِ علم کے شوق میں تمام مشکلات بخوشی برداشت کیں۔ آپ کو کھانے کی پروا ہوتی نہ لباس کی۔ جو لباس ملتا زیب تن فرما لیتے اور جو میسر ہوتا صبر شکر کر کے کھا لیتے۔ آپ کا اکثر وقت مطالعۂ کتب، عبادت، ریاضت اور اوراد و وظائف میں صرف ہوتا۔ دن رات حتی کہ راہ چلتے بھی اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔ سادگی اس قدر تھی کہ اہتمام سے غسل کی خاطر کبھی حمام کا رخ نہ کیا۔ آپ کے ایک ساتھی رشید بن معلم کہتے ہیں کہ میں نے محض اس لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ آپ غسل کے لیے حمام جاتے نہ خوراک ولباس کا اہتمام کرتے۔ پھل اور کھیرا کھانے سے احتراز کرتے۔ فرماتے تھے، مجھے خطرہ ہے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جسم میں تراوت آ جائے گی اور مجھے نیند زیادہ آنے لگے گی۔ دن رات میں صرف ایک بار سحری کے وقت کھانا تناول فرماتے۔ تکلفات سے مکمل پرہیز کرتے۔ اہل شام برف استعمال کیا کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی برف استعمال نہ کی۔ آپ زندگی بھر مجرد رہے، شادی نہیں کی۔ آپ کے لیے کثرت مطالعہ اور عبادت میں انہماک کی وجہ سے دوسرے امور کی طرف توجہ دینا مشکل تھا۔

650ھ میں والد کے ہمراہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد اپنی مادرِ علمی ہی میں بطور معلم تعینات ہوئے۔

■ مسلک: آپ اگرچہ شافعی المذہب تھے تاہم متعصب بالکل نہ تھے۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں حنفی فقہاء کے اقوال بکثرت نقل کیے ہیں۔ جہاں کہیں فقۂ شافعی کا کوئی مسئلہ دلائل کے اعتبار سے کمزور نظر آیا آپ نے اسے چھوڑ کر راجح اور صحیح مسلک اختیار کیا ہے۔

■ تصنیفی خوبیاں: آپ یگانۂ روزگار فاضل تھے۔ جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کی راہنمائی اور افادے کے لیے نہایت نفیس اور بیش قیمت علمی

کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کی تصنیفات عبارت کی سہولت، دلائل کی وضاحت، افکار کی توضیح اور فقہاء کی آراء سے معمور ہیں۔

○ اہم تصنیفات: آپ نے بہت سی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

① شرح صحیح مسلم: اس سے پہلے صحیح مسلم کی کوئی متداول شرح موجود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شرف بخشا کہ آپ نے صحیح مسلم کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ شروح صحیح مسلم میں آپ کی شرح کو جو قبول عامہ حاصل ہوا وہ کسی دوسری شرح کے حصے میں نہیں آیا۔ دنیا بھر میں صحیح مسلم کی متداول، معروف اور عام دستیاب ہونے والی شرح آپ ہی کی ہے۔ صحیح مسلم کے اکثر نسخے اس شرح سے مزین ہیں۔

- كتاب المجموع شرح المهذب للشيرازي
- رياض الصالحين من كلام سيد المرسلين
- الأذكار
- روضة الطالبين
- المنهاج في شرح صحيح مسلم
- تهذيب الأسماء واللّغات
- التقريب لمعرفة سنن البشير و النذير
- الأربعين
- الإيضاح في المناسك
- التبيان في آداب حملة القرآن
- تحرير الألفاظ للتنبيه
- العمدة في تصحيح النية
- الإرشاد في علوم الحديث

التقریب والتیسیر فی مصطلح الحدیث

تحفة الطالب

النکت علی الوسیط

مختصر طبقات الشافعیة لابن الصلاح

الفتاویٰ

شرح صحیح البخاری وغیرہ

وفات: آپ وسعت علم کے ساتھ ساتھ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے حامل صالح الاعمال شخصیت تھے۔ زہد و ورع میں ایک عالم باعمل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور شجاعت و اخلاص میں ایک ناصح عالم کے مانند تھے۔ آپ 676ھ کو فلسطین تشریف لے گئے اور ''القدس'' اور ''الخلیل'' کی زیارت کی۔

زندگی کے آخری ایام میں اپنے وطن، نویٰ تشریف لے آئے۔ وہیں بیمار پڑ گئے اور آخرہ ر 24 رجب 676ھ بروز جمعرات علم و فضل کا یہ آفتاب اور زہد و ورع کا ماہتاب بعمر 45 سال ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ



اربعین نویسی

کتب حدیث کی مختلف اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ''الاربعین'' ہے۔ ایسی کتاب میں چالیس احادیث بیان کی جاتی ہیں۔ بقول امام نووی رحمہ اللہ ''اربعین نویسی'' میں اولیت کا شرف عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو حاصل ہے۔ ان کے بعد بہت سے علماء، محدثین اور ائمہ کرام رحمہم اللہ نے چالیس حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے۔ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اس قسم کے ستر (70) مجموعے اور ان کے مؤلفین کے نام لکھے ہیں۔ اہم اربعین کے چند مصنفین کے نام درج ذیل ہیں:

- عبداللہ بن مبارک
- محمد بن اسلم الطوسی
- حسن بن سفیان ''النسوی''
- ابوبکر الآجری
- ابوبکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی
- امام دارقطنی
- امام حاکم
- ابونعیم
- ابوعبدالرحمٰن السلمی
- ابوسعید المالینی
- ابوعثمان الصابونی
- عبداللہ بن محمد الانصاری
- امام ابوبکر البیہقی
- ابوالقاسم القشیری
- ابومنصور الشحامی
- ابن عساکر

- ابوطاہر السلفی
- حافظ ابن حجر العسقلانی
- امام نووی
- عبدالرحمان جامی (مع فارسی ترجمہ)
- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
- اربعین ثنائیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری
- اربعین فیضانی مع اردو ترجمہ منظوم، مرزا عزیز فیضانی
- اربعین جامی مع اردو ترجمہ منظوم، مولانا ظفر علی خان
- اربعین نبویہ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی
- چہل حدیث، مولانا بدر عالم میرٹھی
- جوامع الکلم، مولانا مفتی محمد شفیع
- چالیس احادیث، خواجہ عبدالحی فاروقی
- حذوا عنا أربعین حدیثا فی من لیس منا، مولانا عنایت اللہ اثری وزیر آبادی
- شمس الدین الجزری
- بستان الاربعین، مولانا محمد صادق سیالکوٹی۔

تمام اربعینات میں سے حافظ ابوطاہر السلفی کی "الأربعون البلدانیة" اہل علم کے ہاں مشہور رہی ہے۔ انھوں نے اس میں چالیس مختلف شہروں کے چالیس محدثین کی چالیس چالیس احادیث بیان کی ہیں۔ ابن عساکر کی "الأربعون الطوال" کو بھی خاصی شہرت ملی۔

- **اربعین نووی کی خصوصیات:** امام نووی رحمہ اللہ سے قبل اگرچہ چہل احادیث کے بہت سے مجموعے مرتب ہو چکے تھے تاہم امام موصوف نے بھی ''الاربعین'' کے سلسلہ میں وارد فضیلت کے حصول کے لیے یہ مجموعہ مرتب کیا۔ آپ نے اپنے اس مجموعے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خصوصی التزام کیا ہے:
  - اس میں مذکور تمام احادیث سنداً صحیح ہیں اور اکثر صحیحین کی ہیں۔
  - اس مجموعے میں صرف احادیث کے متن بیان کیے گئے ہیں اور اسانید کو حذف کر دیا گیا ہے اس طرح اس کا زبانی یاد کرنا سہل ہو گیا ہے۔

- اس میں وہی احادیث بیان کی گئی ہیں جنھیں دین میں اساس کی حیثیت حاصل ہے۔
- یہ تمام احادیث اس قدر اہم ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔

- اربعین نووی کی مقبولیت: امام نووی رحمہ اللہ کو اخلاص نیت کا صلہ یہ ملا کہ چالیس احادیث کے تمام مجموعوں میں سے امت میں سب سے زیادہ مقبولیت آپ ہی کے مجموعے کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب بالعموم مدارس دینیہ، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل رہی۔ اس کی جامعیت اور افادیت کے پیش نظر اکابر اہل علم نے اس کی شرحیں لکھیں، حواشی تحریر کیے، عربی، فارسی اور اُردو میں منظوم اور رواں زبان میں تراجم کیے گئے۔ اس کی بعض شروح و حواشی مندرجہ ذیل ہیں:

- جامع العلوم والحكم، لابن رجب الحنبلي
- شرح الأربعين، لابن دقيق العيد
- شرح لابن حجر المكي
- المبين المعين لفهم الأربعين ، ملا علي قاري
- الفتح المبين لابن حجر العسقلاني
- شرح هاشم بن شيخ محمد التسمات المصري
- شرح أربعين، للعلامه عزيز زبيدي
- شرح أربعين، بروفيسر غلام احمد حريري
- شرح أربعين نووى، بروفيسر عبدالحفيظ و بروفيسر ظفر اقبال

نوٹ: ''الاربعین'' میں چالیس احادیث ہوتی ہیں لیکن امام نووی رحمہ اللہ نے عام دستور کے برعکس اس مجموعے میں بیالیس احادیث جمع کی ہیں۔



مقدمہ

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾

''اور رسول تمھیں جو کچھ دیں اسے لے لو۔''[1]

أما بعد : حضرت علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، ابودرداء، ابن عمر، ابن عباس، انس بن مالک، ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے بہت سی اسناد کے ساتھ مختلف روایات میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص میری امت کے لیے امور دین سے متعلق چالیس احادیث حفظ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں سے اٹھائے گا۔''

ایک دوسری روایت میں ہے ''اللہ تعالیٰ اسے فقیہ عالم کی صورت میں اٹھائے گا'' حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ''میں اس کے لیے سفارشی اور گواہ ہوں گا۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے ''اسے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ۔'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے ''اس کا شمار علماء کی جماعت میں اور حشر شہدا کی جماعت کے ساتھ ہوگا۔'' ماہرینِ حدیث کا اتفاق ہے کہ کثرت اسانید کے باوجود یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر بھی اہل علم نے اس سلسلہ میں بے شمار تصنیفات کی ہیں۔ میرے علم

---

[1] الحشر 7:59

کے مطابق اس بارے میں سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کتاب تصنیف کی۔

ان کے بعد عالم ربانی محمد بن اسلم طوسی، حسن بن سفیان نسوی، ابوبکر آجری، ابوبکر بن ابراہیم اصفہانی، دارقطنی، حاکم، ابونعیم، ابوعبدالرحمٰن السلمی، ابوسعید المالینی، ابوعثمان الصابونی، عبداللہ بن محمد الانصاری اور ابوبکر البیہقی اور دیگر بہت سے متقدمین و متاخرین علماء نے تصنیفات کیں۔ انھی بزرگ ائمہ اور حفاظ کی اقتدا کرتے ہوئے میں نے بھی چالیس احادیث جمع کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا۔ اہل علم کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال سے متعلقہ احادیث چاہے ضعیف ہوں، ان پر عمل کرنا جائز ہے[1] مگر میرا اعتماد محض مذکورہ بالا ضعیف حدیث ہی پر نہیں بلکہ صحیح احادیث میں وارد نبی ﷺ کے اس قول پر ہے۔ آپ نے فرمایا:

«لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»

''تم میں سے جو موجود ہے وہ ان لوگوں کو احادیث و احکام پہنچا دے جو یہاں

---

① امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول محلِ نظر ہے، ضعیف روایت مطلقاً ناقابل عمل ہے۔ خواہ اس کا تعلق احکام سے ہو یا فضائل اعمال سے اور یہی راجح ہے کیونکہ جب اس کی نسبت ہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہوئی تو خواہ مخواہ ظن مرجوح کی بنا پر اس کو عقیدہ و عمل میں لانا درست نہیں۔ اذ الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ بعض کبار محدثین نے اس بیت عنکبوت کے مانند کمزور موقف کی سختی سے تردید کی ہے، لہٰذا اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ اگر کوئی روایت ضعیف ہو تو بیان کرتے وقت اس کے ضعف کی نشاندہی ضرور کریں۔ ورنہ عنداللہ گناہ گار ہوں گے، جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں: کَانَ آثِمًا بِفِعْلِهِ ذٰلِكَ، غَاشًّا لِعَوَامِّ الْمُسْلِمِيْنَ ''وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ گار اور عامۃ المسلمین کا خائن متصور ہوگا۔'' اور جو شخص جانتے بوجھتے ضعیف روایت پر عمل پیرا ہو وہ اس سے کہیں زیادہ قابل مذمت اور مستحق وعید ٹھہرتا ہے۔ یہی مذکورہ بالا موقف امام ابن حزم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہما اللہ اور بعض دیگر متقدمین و متاخرین محققین کا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمة صحیح مسلم، ص: 19 طبع دارالسلام، قواعد التحدیث للقاسمی: 113 القاعدة الجلیلة، ص:84 صحیح الجامع، للألبانی رحمہ اللہ: 46/1)



موجود نہیں۔''(1)

اسی طرح نبی ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ہے:

«نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ»

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے، جس نے ہماری بات (حدیث) سنی، اسے بعینہٖ یاد رکھا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔''(2)

بعض علماء نے اصول دین کے بارے میں چالیس احادیث جمع کیں تو بعض نے فروع کے متعلق، بعض نے جہاد کے متعلق تو بعض نے زہد کے بارے میں، بعض نے آداب کے بارے میں تو بعض نے خطبوں پر مشتمل احادیث جمع کیں۔ یہ سب اچھے مقاصد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات سے راضی ہو۔ میں نے ان موضوعات سے ہٹ کر چالیس مختلف احادیث جمع کرنے کا سوچا، یہ چالیس احادیث (مذکورہ بالا) تمام امور پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے ہر حدیث دین کے بنیادی قواعد میں سے ایک قاعدہ اور اصول ہے اور ان میں سے ہر حدیث کے متعلق اہل علم نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''اس حدیث پر اسلام کا دارومدار ہے، یہ حدیث نصف اسلام ہے، یہ حدیث اسلام کا ثلث (1/3) ہے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ میں نے ان چالیس احادیث میں ان کی صحت کا بھی التزام کیا ہے۔ ان میں سے اکثر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں۔ میں نے ان کی سندیں حذف کر دی ہیں تاکہ انھیں یاد کرنا آسان ہو اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ہر وہ شخص جو آخرت میں کامیابی حاصل کرنا

---

(1) صحیح البخاری، العلم، باب قول النبی ﷺ: "رب مبلغ أوعی من سامع"، حدیث: 67 و صحیح مسلم، القسامة، باب تغلیظ تحریم الدماء......، حدیث: 1679۔

(2) سنن أبی داود، العلم، باب فضل نشر العلم، حدیث: 3660 و جامع الترمذی، العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، حدیث: 2656 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من بلغ علما، حدیث: 230

چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ان تمام احادیث اور ان میں بتائے ہوئے مسائل واحکام اور آداب سے واقف ہو۔ میرا توکل اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور میں اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ ہر حال میں اسی کی تعریف اور اس کی نعمتوں کا اقرار واعتراف ہے۔ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی ساری توفیق اسی کی طرف سے ہے۔





اصلاحِ نیت کی ضرورت واہمیت

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِي حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّا نَوٰى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجرَتُهُ إِلَى اللهِ ورَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ**»

امیر المومنین ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا ملے گی۔ جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے۔ اور جس کی ہجرت حصولِ دنیا کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔''[1]

لغوی تشریح: [حَفْصٍ] شیر، ابو حفص یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ [النِّيَّات] نِيَّةٌ کی جمع ہے لغوی طور پر نیت کا مطلب ارادہ ہے۔ اصطلاحی طور پر نیت اس ارادے کو کہتے ہیں

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: 1 وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: إنما الأعمال بالنية، حديث: 1907

جو فعل کے ساتھ متصل ہو۔ | هِجْرَة | لغوی طور پر ہجرت کے معنی ''ترک کرنا'' ہے اور شرعاً، دین کو بچانے کی غرض سے دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف چلے جانے کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ رہا آپ کا یہ فرمان کہ ''اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے۔'' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ہجرت ریا اور دکھلاوے سے پاک ہے۔ اور اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا حاصل کرنا ہے۔ اس لیے اس کی ہجرت مقبول ہے اور اسے اس کی جزا ملے گی۔ | لِدُنْيَا يُصِيبُهَا | کسی دنیوی غرض کے حصول کی خاطر ہو۔

فوائد: نبی ﷺ نے اس حدیث مبارک میں یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ انسان کے تمام اعمال کی قبولیت اور ان کے اجر وثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ عمل کرنے والے کی نیت درست ہو تو اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور عمل کرنے والے کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اگر عمل کرنے والے کی نیت درست نہ ہو تو بظاہر وہ عمل کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، عمل کرنے والے کو اس کا ثواب نہیں ملتا، بلکہ وہ عمل اس کے لیے وبال اور باعثِ گناہ بن جاتا ہے۔ گویا نیت تمام اعمال کی روح ہے۔

نیت کا مفہوم

نیت کی درستی سے مراد یہ ہے کہ نیک کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا جائے، کسی کے خوف سے یا کسی کی خوشنودی کے لیے نہ ہو، نیز لوگوں میں شہرت، نیک نامی یا دنیوی منفعت کا لالچ بھی نہ ہو۔ اور اگر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے بجائے کسی شخص کی خوشنودی یا لوگوں میں عزت وشہرت اور نام ونمود یا مزید کسی دنیوی لالچ وغرض کی خاطر کیا جائے تو یہ نیت کی خرابی ہے۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے یہی چیز ایک مثال دے کر واضح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص ہجرت جیسا عظیم عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی اطاعت ومحبت کے



لیے کرے تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہے یعنی اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے اور وہ شخص اجر و ثواب کا مستحق ہے اور وہ رسول کا اطاعت گزار اور فرما بردار ہے۔ اور اگر ہجرت کرنے والے نے یہ عمل دولت کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لالچ میں کیا تو اس کی یہ ہجرت اسی کے لیے ہے جس کے لیے اس نے ہجرت کی یعنی اسے اس عمل کا کوئی ثواب نہ ہوگا۔ اور وہ رسول کا عقیدت مند اور مطیع فرمان شمار نہ ہوگا، حالانکہ ہجرت ایسا عظیم عمل ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا»

''ہجرت کرنے سے انسان کی سابقہ زندگی کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔''[1]

نبی ﷺ نے اس حقیقت کو مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ»

''بے شک اللہ تعالیٰ تمھاری شکل و صورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمھارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے (کہ تم عمل کس نیت سے کرتے ہو۔'')[2]

اخلاص نیت

قرآنِ کریم میں اسی اخلاص کو تقویٰ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقْوَىٰ مِنكُمْ﴾

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما كان قبله ...، حديث: 121

② صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم ظلم المسلم ...، حديث: 2564

''اللہ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ اسے تو تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''[1]

یعنی تمھارے اس عمل میں اخلاص ہے یا نہیں۔ اخلاص سے تو بظاہر حقیر اور معمولی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے لیے نجات اور سرخروئی کا سبب بن سکتا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز ایک قاری، ایک سخی اور ایک شہید کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان سے باری باری ان کے اعمال کے متعلق دریافت کرے گا تو قاری کہے گا، یا اللہ! میں نے تیرا دین سیکھا اور زندگی بھر لوگوں کو سکھاتا رہا۔ سخی کہے گا یا اللہ! میں نے تیرا دیا ہوا مال نیکی کے ہر راستے میں خوب لٹایا، اور شہید کہے گا، یا اللہ! میں تیرے دشمنوں سے قتال کرتا رہا اور بالآخر میں خود بھی ان سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اللہ قاری سے فرمائے گا، تو نے قرآن سیکھا اور سکھایا ضرور تھا مگر تیری نیت یہ تھی کہ لوگ تجھے قاری اور عالم کہیں۔ اور اللہ سخی سے فرمائے گا کہ واقعی تو نے مال خرچ کیا تھا مگر تیری نیت یہ تھی کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور تیری تعریف کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ شہید سے فرمائے گا کہ تو نے کفار سے لڑائیاں ضرور لڑی تھیں مگر تیری نیت اور ارادہ یہ تھا کہ لوگ تیری تعریف کریں اور تجھے بہادر کہیں۔ تم تینوں نے یہ اعمال میری رضا کے لیے نہیں کیے تھے، لہٰذا آج میرے ہاں تمھارے لیے کچھ نہیں۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان تینوں کو گھسیٹ کر منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے۔''[2]

اخلاصِ نیت کی اہمیت تو اس قدر ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیے احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص نیک عمل کرنے کا ارادہ کرے تو اسے ایک نیکی

---

① الحج 22:37

② صحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، حدیث: 1905



کا ثواب مل جاتا ہے۔ اور اگر نیت کے بعد اس عمل کو کر بھی لے تو اسے کم از کم دس گنا ثواب ملتا ہے اور بعض صورتوں میں سات سو گنا تک ثواب مل جاتا ہے۔[1]

اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى فِرَاشَهُ وَهُوَ يَنْوِى أَنْ يَّقُومَ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ حَتّٰى أَصْبَحَ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوٰى وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ»

''جو شخص رات کو سوتے وقت تہجد کی نیت کر لے لیکن وہ بیدار نہ ہو سکے تو اسے اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے جس کی اس نے نیت کی اور وہ نینداس پر اس کے رب کی طرف سے صدقہ ہے۔''[2]

اگر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہو بلکہ لوگوں کے دکھلاوے کی خاطر کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک قرار پاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ صَلّٰى يُرَائِى فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِى فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِى فَقَدْ أَشْرَكَ»

''جو شخص لوگوں کے دکھلاوے کی خاطر نماز پڑھے، روزہ رکھے یا صدقہ کرے تو وہ شرک کا مرتکب ہے۔''[3]

یہ سب کو معلوم ہے کہ شرک، اکبر الکبائر ہے۔ اور شرک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اور ریا و نمود شرک ہی کی ایک قسم ہے۔ خلوص نیت کے ساتھ جو عمل کیا جائے وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے بلکہ قیامت کے روز اس شخص کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہو گا

---

① صحيح البخاري، الرقاق، باب من هم بحسنة ....، حديث: 491 وصحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد ....، حديث: 131

② سنن النسائي، قيام الليل، باب من أتى فراشه وهو ينوى القيام، فنام، حديث: 1788 والإرواء، حديث: 454 ③ مسند أحمد: 126/4

جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا ان میں سے ایک وہ ہے:

«رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ»

''جو اللہ تعالیٰ کی خاطر اس قدر مخفی طور پر صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ سے خرچ کرے تو بائیں تک کو خبر نہ ہو۔''[1]

ان تمام احادیث سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ دین میں اصلاحِ نیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اور اسی پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے۔ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ زبان سے الفاظ ادا کرنا نیت نہیں۔ انسان دل میں کسی نیکی کا ارادہ کرے تو اسے ایک نیکی کا ثواب مل جاتا ہے اور جب وہ عمل کر لے تو اسے خلوص کے لحاظ سے دس گنا سے سات سو گنا تک اجر وثواب ملتا ہے۔ حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تین باتوں کی قسم اُٹھاتا ہوں اور ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھنا۔ فرمایا:

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ»

صدقہ کرنے سے کسی کے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

«وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَّظْلِمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ عِزًّا»

''اور جس کسی پر ظلم ہو اور وہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔''

«وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ إِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ»

''اور جو شخص مانگنا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر وتنگدستی کا دروازہ کھول دیتا

---

① صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة ......، حديث: 660 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031



ہے۔'' (اور وہ ہر قسم کے مال و دولت کے باوجود مانگتا پھرتا ہے۔)

پھر فرمایا:

''ایک اور بات بیان کرتا ہوں اسے بھی یاد رکھنا، یہ دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے: ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال و دولت اور علم سے نوازتا ہے اور وہ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، صلۂ رحمی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو جانتا (اور ادا کرتا) ہے۔ ایسا آدمی سب سے افضل ہے۔ دوسرا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے اور دولت نہ دے مگر وہ صدق وخلوص نیت سے کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کی طرح نیک اعمال کرتا حالانکہ اس کی صرف نیت ہے اور دوسرے کا عمل تاہم دونوں کا اجر وثواب برابر ہے۔ تیسرا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرماتا ہے اور وہ علم سے محروم ہوتا ہے وہ مال کو بے تحاشا بغیر سوچے سمجھے اور بغیر علم کے خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو جانتا اور ادا کرتا ہے یہ سب سے برا ہے۔ چوتھا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا نہ مال لیکن وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کی طرح (برے) کام کرتا حالانکہ اس کی صرف نیت ہے اور دوسرے کا عمل تاہم دونوں کا گناہ برابر ہے۔''[1]

ریا کی تمثیل کے لیے دیکھیے: (سورۂ بقرہ، آیت: 264)



[1] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر، حديث: 2325

باب: ٢ـ الإسلامُ و الإيمانُ والإحسانُ

اسلام، ایمان اور احسان

عنْ عُمر رَضِي اللهُ عَنْهُ، قَالَ: بيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذات يوْم، إذْ طَلع علَيْنا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوادِ الشَّعْرِ، لا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أحَدٌ، حَتّٰى جلس إلى النَّبِيِّ ﷺ. فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، ووَضَعَ كَفَّيْهِ علٰى فخذَيْهِ، وَقال: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الإسْلام؟. فقَال رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**الإسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إلٰهَ إلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إنِ اسْتَطَعْتَ إلَيْهِ سبِيلاً**» قَال: صَدقْتَ، قال: فعجبْنا لَهُ، يَسأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَأخْبِرْنِي عَنِ الإيمَانِ؟ قَالَ: «**أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، والْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ**» قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإحْسَانِ؟ قَالَ: «**أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ**» قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: «**مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ**» قَال: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمارَاتِهَا؟ قَالَ: «**أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ**

رِبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ، رِعَاءَ الشَّاءِ، يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ» ثُمَّ انْطَلَقَ. فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟» قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ، أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ»

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: ''ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا جس کا لباس انتہائی سفید اور بال سیاہ تھے، اس پر سفر کے آثار دکھائی دیتے تھے نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ (وہ آیا) اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب اس طرح بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیے اور اپنے ہاتھ اپنی (یا آپ کی) رانوں پر رکھ دیے اور کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز ادا کرے، زکاۃ دے، رمضان کے روزے رکھے، اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔'' اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہمیں تعجب ہوا کہ یہ شخص خود سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا: مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر، اس کی نازل کردہ کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت پر، اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔'' اس نے کہا: آپ نے بالکل درست فرمایا۔ پھر اس نے کہا: احسان کے بارے میں بتلائیے کہ احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''احسان

یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ خیال رہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے. اگرچہ تم نہیں دیکھ رہے۔'' (امام نووی رحمہ اللہ نے یہی ترجمہ صحیح قرار دیا ہے) پھر اس نے کہا: کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتلایئے کہ کب آئے گی؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''اس کے متعلق میرا علم تمھارے علم سے زیادہ نہیں۔'' اس نے کہا: تو پھر اس کی نشانیاں ہی بتلا دیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''اس کی نشانیاں یہ ہیں کہ لونڈیاں اپنی مالکوں کو جنم دینے لگیں، اور تم ننگے پاؤں، ننگے جسم، تنگ دست، بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو کہ وہ عمارتوں کی تعمیر میں حد سے تجاوز کرنے لگیں۔'' اس کے بعد وہ سائل چلا گیا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''اے عمر! جانتے ہو یہ سائل کون تھا''؟ میں (عمر) نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''یہ جبریل تھے، جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔''[1]

لغوی تشریح: [إِذْ طَلَعَ] اچانک نمودار ہوا [أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ] شریعت میں اسلام کی حقیقت اور اعمال اسلام سے مجھے آگاہ فرمائیں، اسی طرح اس کے سوال [أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ] [وَالْإِحْسَانِ] کا بھی یہی مفہوم ہے [وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ] تو نماز کو اس کی مکمل شروط اور ارکان کے ساتھ ادا کرے۔ اور اس کو پورے اہتمام کے ساتھ صحیح صحیح ادا کرے [فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ] ہمیں اس کے اس انداز پر تعجب ہوا کیونکہ اس کا سوال اس کے عدم علم پہ دلالت کرتا ہے اور اس کا تصدیق کرنا اس بات کا مظہر ہے کہ گویا وہ اس بات سے واقف ہے۔ [وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ] قدر کا لغوی معنی ''تقدیر'' ہے۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق وجود میں آنا تقدیر کا شرعی مفہوم ہے۔ خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی

---

(1) صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان، ووجوب الإیمان بإثبات قدر اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ، حدیث: 8

طرف سے ماننا ایمان کا جز ہے [الْإِحْسَان] عبادت کو کامل ترین طریقے پر ادا کرنا [أَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ] مجھے قیامت کے بارے میں یعنی اس کی آمد کے بارے میں بتلایئے کہ کب آئے گی۔ [فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا] ''امارات'' ''امارۃ'' کی جمع ہے یعنی علامت، اس کی مراد یہ تھی کہ آپ قرب قیامت کی علامات (ہی) بتادیں۔ [أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا] کہ لونڈیاں اپنی (مالکوں) کو جنم دینے لگیں۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے قریب لونڈیاں اس قدر عام ہوں گی کہ لونڈی اپنے مالک کی بیٹی کو جنم دے گی اور مالک کی بیٹی بھی مالک ہوتی ہے۔ اور بیٹیاں ماؤں پر حکم چلائیں گی۔ [اَلْعَالَةَ] جمع عائل، بمعنی فقیر، تنگدست محتاج۔ [رِعَاءَ الشَّاءِ] بکریوں کے چرواہے ''رعاء'' راعی کی جمع ہے۔ یعنی چرواہا۔ اس کی جمع رعاۃ بھی آتی ہے۔ الشاء، شاۃ کی جمع ہے، بھیڑ بکری۔ [يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ] ''تطاول'' لمبائی میں ایک دوسرے سے بڑھنا، عمارات کی بلندی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں گے یہ کنایہ ہے کہ اس وقت حالات بہت خراب ہو جائیں گے اور معاملات نااہل لوگوں کے سپرد ہوں گے [الْبُنْيَانِ] عمارات [فَلَبِثْتُ مَلِيًّا] میں کچھ دیر ٹھہرا۔

فوائد: یہ حدیث اہلِ علم کے ہاں ''حدیث جبریل'' اور ''ام السنۃ'' کے نام سے معروف ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انسانی صورت میں تشریف لائے اور انھوں نے آپ سے چند سوالات کے جوابات دریافت کیے تھے۔

فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا

یہ کوئی مستبعد امر نہیں۔ اسی کے پیش نظر حدیث میں صراحت موجود ہے کہ آنے والا شخص کوئی انسان نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام تھے۔ کتبِ حدیث کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل علیہ السلام عام طور پر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا

کرتے تھے۔ غزوۂ بدر، حنین اور خندق وغیرہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کے لیے فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا ثابت ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھی جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں آئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں بھی فرشتوں کا انسانی صورت میں آنے کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے کھانے کا انتظام بھی کیا تھا۔ لیکن انھوں نے کھایا نہیں تھا۔

وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ

بظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ آنے والے (جبریل علیہ السلام) نے اپنی ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ لیں، جس طرح ایک مؤدب شاگرد اپنے استاد کے سامنے ادب واحترام سے بیٹھتا ہے۔ لیکن مسند احمد، (جلد اوّل، ص: 319) کی روایت میں صراحت ہے کہ اس نے بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھنے کے بجائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھے تھے۔ شاید اس سے ناظرین وسامعین کو مکمل طور پر اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو تا کہ وہ ساری گفتگو اچھی طرح سماعت کریں۔ واللّٰہ أعلم

ارکانِ اسلام

سائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کے برعکس کیفیت اختیار کر کے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے بعد کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے تو آپ نے اس سوال کے جواب میں اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ذکر فرمائے: ① اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ② اقامتِ صلاۃ ③ ادائیگی زکاۃ ④ صیام رمضان ⑤ استطاعت کی صورت میں بیت اللہ کا حج کرنا۔

یہی امور آپ نے ایک دوسری حدیث [بُنِی الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ] میں ذکر فرمائے ہیں۔

فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَ يُصَدِّقُهُ

ہم نے تعجب کیا کہ وہ آپ سے سوال کرتا ہے اور جواب ملنے پر اس کی تصدیق وتائید بھی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اسے سوال کے جواب میں اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایا تو اس نے آپ کے جواب کی تصدیق کی۔ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی کہ یہ عجیب سائل ہے جس نے یوں سوال کیا گویا وہ جواب سے واقف نہیں۔ اور جب آپ نے اس کے سوال کا جواب دیا تو اس کی تصدیق وتائید یوں کرتا ہے جیسے وہ پہلے ہی اس بات سے واقف ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو پہلے ہی اس کی شکل وصورت اور بیٹھنے کے انداز پر حیران تھے، اس کی زبان سے تائیدی وتصدیقی الفاظ سن کر مزید حیران ہوئے۔

عقائدِ اسلام

سائل نے اپنے سوال کا جواب سن کر اور تائید وتصدیق کرنے کے بعد دوسرا سوال کیا کہ آپ مجھے ایمان کے متعلق کچھ بتائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر فرمایا: ① اللہ تعالیٰ پر ایمان ② اس کے فرشتوں پر ایمان ③ اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان ④ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان ⑤ آخرت پر ایمان ⑥ اچھی بری تقدیر پر ایمان۔

اسلام اور ایمان

اسلام اور ایمان دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ہیں۔ بالعموم یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ﴾

''وہاں بستی میں جو مومن تھے ہم نے انھیں نکال دیا، پس ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔''[1]

اس آیت میں اسلام اور ایمان دونوں الفاظ کو مترادف استعمال کیا گیا ہے۔ اسی گھر والوں کو مومنین اور مسلمین کہا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں ہے:

﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾

''دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے، آپ فرما دیں کہ تم (ابھی) ایمان نہیں لائے، البتہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔''[2]

اس آیت میں اسلام اور ایمان کے معنوں میں فرق کیا گیا ہے۔ اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے اور ایمان کا تعلق عقائد سے ہے۔ جیسا کہ پیش نظر حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی وضاحت میں ارکان اسلام بیان فرمائے اور ایمان میں جواب میں اسلامی عقائد کا ذکر فرمایا۔

احسان

احسان کا لفظی معنی ہے کسی چیز کو خوبصورت اور عمدہ بنانا، یا کسی کام کو عمدگی سے کرنا، یا کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ حدیث میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ تصور کرنا چاہیے کہ میں خود اپنے مالک کو دیکھ رہا ہوں لیکن اگر خلوص کا یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا تصور ضرور ہو کہ میں اپنے مالک و خالق کی نظروں میں ہوں

(1) الذاریات 51:35-36 (2) الحجرات 49:14



اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اعمال کو احسان یعنی عمدگی اور بہتری سے سرانجام دینا انتہائی ضروری ہے۔ سورۃ الملک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

''اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون بہترین عمل کرتا ہے۔''[1]

اسی لیے رسول اللہ ﷺ بھی حسن عبادت کی توفیق کی دعا فرمایا کرتے تھے:

«رَبِّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»

''اے میرے رب! مجھے اپنا ذکر وشکر کرنے اور حسنِ عبادت کی توفیق عطا فرما۔''[2]

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں والدین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان کرنے یعنی حسنِ سلوک کی ہدایات دی گئی ہیں۔ حضرت ابویعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ احسان یعنی حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سلیقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو بھی سلیقے سے ذبح کرو۔ تمھیں چاہیے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کرلو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔''[3]

قیامت کب آئے گی؟

سائل نے چوتھا سوال یہ کیا کہ آپ مجھے قیامت کے متعلق بتائیں! کہ کب آئے گی؟

---

(1) الملك 67:2

(2) سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، حديث: 1522 و سنن النسائي، السهو، باب نوع آخر من الدعاء، حديث: 1304

(3) صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، حديث: 1955

آپ نے فرمایا:

«مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ»

''جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔''

یعنی قیامت کا علم نہ ہونے کے بارے میں، میں اور تم دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے متعلق کسی کو نہیں بتایا کہ کب آئے گی۔ اس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ﴾

''بے شک قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔''[1]

﴿قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّى﴾

''آپ فرما دیں کہ اس کا علم صرف میرے رب کو ہے۔''[2]

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«فِي خَمْسٍ، لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللهُ»

''(قیامت کا علم) ان پانچ امور میں سے ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔''[3]

علامات قیامت

جب نبی ﷺ نے قیامت کے متعلق لاعلمی کا اظہار فرمایا تو سائل نے کہا: اگر قیامت کے

---

[1] لقمان 34:31 [2] الأعراف 187:7

[3] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان والإسلام والإحسان، حديث: 50 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإيمان ماهو؟ وبيان خصاله، حديث: 9



وقوع کا حتمی علم نہیں تو کم از کم اس کی علامات ہی بیان فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے۔ یعنی اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہو اور اولاد اپنی ماؤں سے اس طرح خدمت لے اور ایسا ذلت آمیز سلوک کرنے لگے جیسے آقا اپنی لونڈیوں سے کرتا ہے۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ فتوحات بکثرت ہونے لگیں اور کنیز زادے سریر آرائے سلطنت ہو جائیں اور ان کی والدہ بھی ان کی رعیت میں شامل ہونے لگے جیسا کہ ہندوستان میں خاندانِ غلامان کی حکومت رہی ہے۔ اس کا تیسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے قریب غلاموں کی کثرت ہو جائے گی۔ کوئی شخص کسی عورت کو لونڈی کی حیثیت سے خریدے گا جو درحقیقت اس کی ماں ہو گی اور وہ دونوں اس حقیقت سے لاعلم ہوں گے۔ (واللہ اعلم)

رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کی دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، مفلس و قلاش چرواہوں کو بلند و بالا عمارتیں کھڑی کرتے دیکھو گے، یعنی دولت کی ریل پیل ہو گی اور عمارتیں بنانا ہی شرف و عزت ٹھہرے گا۔ مسند احمد میں اسی حدیث کی ایک دوسری سند سے مروی ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ''العرب'' کہ اس سے عرب لوگ مراد ہیں۔ (دیکھیے مسند احمد بتحقیق احمد شاکر رقم:2926)

موجودہ دور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہلِ عرب جو کچھ عرصہ قبل تک واقعی تنگدست، مفلس اور قلاش تھے، ان کے پاس پہننے کو جوتا اور لباس نہ ہوتا تھا، جانور پال کر ان کی گزران ہوتی تھی، آج ان کے پاس دولت کی ریل پیل ہے اور کئی کئی منزلہ بلند و بالا عمارتوں کے مالک ہیں اور اس میں مسابقت و مقابلہ ہو رہا ہے۔

حدیث جبریل کی اہمیت

اہل علم نے اس حدیث کی اہمیت و جامعیت کے پیش نظر اسے ''ام الاحادیث'' اور ''ام الجوامع'' یا ''ام السنۃ'' قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں اسلام کے ارکان، اس کے اہم بنیادی عقائد اور تمام اعمال کی روح یعنی احسان اور دنیا کا انجام یعنی قیامت تک کا ذکر ہے۔





باب:٣۔ أرکانُ الإسلام ودَعائمه العِظام

اسلام کے بنیادی ارکان

عَنْ أَبِی عَبْدِالرَّحْمٰنِ ۔ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّاب رضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بُنِیَ الإِسْلامُ عَلٰی خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

ابوعبدالرحمٰن، سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔''[1]

لغوی تشریح: [بُنِیَ] بنیاد رکھی گئی [عَلٰی خَمْسٍ] پانچ چیزوں پر [شَهَادَةِ] اقرار، تصدیق [حَجِّ الْبَيْتِ] مقرر کردہ مہینوں میں بیت اللہ الحرام پہنچ کر متعین اعمال کو مقررہ انداز پر ادا کرنا، مقدس ومتبرک جگہ کی زیارت کرنا۔

فوائد: دینِ اسلام کی تکمیل ان پانچ ارکان سے ہوتی ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئے

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب دعاؤکم إیمانکم، حدیث:8 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أرکان الإسلام ودعائمه العظام، حدیث: 16

ہیں۔ اگر ان میں سے ایک رکن بھی نہ ہو تو دین کی عمارت نامکمل رہے گی۔

اگرچہ توحید و رسالت کے اقرار کے بعد انسان اسلام میں داخل ہو کر مسلمان کہلانے کا حقدار ہو جاتا ہے مگر اس کا دین اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ باقی ارکان پر بھی عمل پیرا ہو۔

توحید و رسالت کا اقرار

توحید و رسالت کا اقرار اسلام کا پہلا رکن ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے، حصہ اول، توحید کہلاتا ہے۔ یعنی دل اور زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ زندگی اور موت کا وہ مالک ہے۔ اولاد دینے والا، رزق بہم پہنچانے والا اور نفع و نقصان کا وہی مالک ہے۔ صرف وہی مختارِ کل ہے باقی سب عاجز بندے ہیں۔ کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا بزرگ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات اور حقوق و افعال میں اس کا شریک و ہمسر نہیں۔ وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی یکتا ہے۔ توحید کے برعکس عقیدہ کو شرک کہا جاتا ہے۔ اسلام کے پہلے رکن کا دوسرا حصہ ''رسالت'' ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی رہنمائی کے لیے ہر زمانہ میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد ﷺ اس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ آپ خاتم الرسل اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ قیامت تک کے انسانوں کے لیے نبی و رسول بن کر تشریف لائے۔ آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا۔ اگر کوئی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے تو وہ کاذب اور دجال ہے اور اس کو ماننے والا کافر اور مرتد ہے۔

نماز

اسلام کا دوسرا رکن اقامتِ صلاۃ ہے۔ کلمہ پڑھ لینے یعنی توحید و رسالت کا اقرار کر لینے



کے بعد ایک مسلمان پر سب سے پہلے نماز کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ دین اسلام میں نماز پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مرتبہ نماز کا حکم آیا ہے۔ اور بیسیوں جگہ نماز کو اہلِ ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہی کو قرار دیا ہے بلکہ آپ نے نماز پر اس قدر زور دیا کہ فرمایا:

''جب بچہ سات سال کا ہو تو اسے نماز کی تعلیم دو جب دس سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کا مرتکب ہو تو اسے سزا دو۔''[1]

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

''جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔''[2]

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نماز کے لیے ''اقامت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اقامت کا مفہوم صرف نماز کا پڑھ لینا ہی نہیں بلکہ نماز کو بالالتزام، مکمل آداب و شرائط کے ساتھ ہمیشہ پابندی کے ساتھ باجماعت مسنون طریقے کے مطابق ادا کرنا اس کی اقامت ہے۔

زکاۃ

زکاۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ زکاۃ کا لفظی معنی نشو و نما اور پاک کرنا ہے۔ جو لوگ صاحب حیثیت ہوں، ان پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں سے مخصوص حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ تا کہ دولت گردش کرتی رہے اور مالداروں کے دل میں دولت کی محبت گھر نہ کر جائے۔ نیز معاشرے کے جو افراد مفلوک الحال، مفلس اور نادار ہوں ان کی مدد کی جائے۔ جو شخص صاحب نصاب ہو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ

---

① سنن أبی داود، الصلاة، باب متی یؤمر الغلام بالصلاة، حدیث 495,494

② موطأ إمام مالك، الوضوء والطهارة، باب العمل فیمن غلبه الدم من جرح أو رعاف: 45/1

حصہ ان کے متعین کردہ اصحاب میں تقسیم کر دے مثلاً جو شخص ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی کا مالک ہو، سال گزرنے کے بعد اس پر اس دولت کا چالیسواں حصہ بطورِ زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں سال بھر موجود رہیں تو سال بعد ایک بکری بطور زکاۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اونٹ، گائے وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ نصاب ہے۔ عشر اور صدقۃ الفطر وغیرہ بھی زکاۃ کی اقسام ہیں۔

حج

اسلام کا چوتھا رُکن حج ہے۔ جو شخص صاحب استطاعت ہو، یعنی اپنے اہل و عیال اور زیرِ کفالت اشخاص کی جملہ ضروریات پوری کرنے کے بعد سفر بیت اللہ کا متحمل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ایام حج میں اللہ تعالیٰ کے گھر جا کر متعلقہ مناسک ادا کرے۔ حج میں احرام باندھنا، بیت اللہ شریف کا طواف، صفا مروہ کی سعی، بال کٹوانا، منٰی میں حاضری، وقوف عرفات اور مزدلفہ میں قیام وغیرہ احکام حج میں شامل ہیں۔ حج کا بڑا ثواب ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''حج مبرور کی جزا جنت ہے۔''[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''حج کرنے کے بعد انسان گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے گویا وہ آج پیدا ہوا ہے۔''[2]

---

[1] صحیح البخاری، العمرۃ، باب وجوب العمرۃ و فضلھا، حدیث: 1773 وصحیح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرۃ، حدیث: 1349

[2] صحیح البخاری، الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث: 1521 وصحیح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرۃ، حدیث: 1350



حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو شخص قدرت و طاقت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر، یعنی اسلام پر اس کے خاتمے کا امکان نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا ارادہ ہے کہ اپنے کارندوں کو ملک کے اطراف میں بھیج کر ان لوگوں کا پتہ چلاؤں جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے تاکہ ان پر جزیہ مقرر کر دوں، ایسے لوگ مسلمان نہیں، یہ لوگ مسلمان نہیں۔ (سنن سعید بن منصور)

روزے

اسلام کا پانچواں رُکن رمضان کے روزے رکھنا ہے۔ مسلمانوں پر سال بھر میں رمضان المبارک کے مہینے میں روزے رکھنا فرض ہے۔ روزہ ہر عاقل، بالغ، صحت مند اور باشعور مرد و عورت پر فرض ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر کنٹرول رکھنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ انسان کو متقی اور پرہیزگار بناتا ہے۔ مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں البتہ بعد از رمضان ان روزوں کی قضا دینا ہوگی۔ روزے کی بڑی فضیلت اور ثواب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی خاطر روزے رکھے اس کی سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔"[1]

روزہ لاتعداد فوائد کا موجب ہے۔ اس سے صبر و تحمل، جفاکشی اور ناداروں سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ان پانچوں ارکان کو دین اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح عمارت کے استحکام کے لیے بنیادوں کی گہرائی اور مضبوطی ضروری ہے، اسی طرح اسلام کی پختگی بھی گہرے اور مضبوط ایمان کے بغیر ناممکن ہے۔ اور جس طرح عمارت کی

---

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان، حدیث: 38 و صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان و ھو التراویح، حدیث: 760

تزئین و آرائش کے لیے سجاوٹ کا سامان ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عمارتِ اسلام کی آرائش بھی اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے بلکہ بعض اہلِ علم کے بقول اعمال کے بغیر ایمان کا وجود ہی عنقا ہے۔ اسی لیے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے۔'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں یہ عمارت ہی سرے سے غائب ہو جائے گی۔





انسان کے تخلیقی مراحل اور اُس کا انجام

عَنْ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: **«إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذَلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، فَوَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُهَا»**

''ابوعبدالرحمٰن، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ والدہ کے پیٹ میں چالیس یوم تک نطفے کی صورت میں، اس کے بعد اتنے ہی روز تک جمے ہوئے خون کی صورت میں اور اس کے بعد اتنے ہی روز گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے

وہ آ کر اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے اس پیدا ہونے والے کے متعلق چار باتیں، رزق، عمر، عمل، اور اس کے شقی (بدبخت) یا سعید (نیک بخت) ہونے کے متعلق، لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں، تم میں سے کوئی آدمی اہل جنت کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے مابین صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس پر سابقہ تحریر غالب آ جاتی ہے اور وہ شخص اہل جہنم کا سا عمل کر کے جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایک شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس پر سابقہ تحریر غالب آ جاتی ہے اور وہ شخص اہل جنت کا سا عمل کر کے جنت میں چلا جاتا ہے۔"[1]

لغوی تشریح: [يُجْمَعُ خَلْقُهُ] (بصیغہ المجہول) اس کا مادۂ تخلیق رکھا جاتا ہے [نُطْفَةً] وہ منی جس سے جنین (بچہ) بنتا ہے۔ اسے نطفہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بہنے والے پانی کی قسم کا ہوتا ہے [عَلَقَةً] جما ہوا خون جو خشک نہ ہوا ہو چونکہ وہ خون رحم کے ساتھ چمٹا اور لگا ہوا ہوتا ہے اس لیے اسے علقۃ کہتے ہیں [مُضغَةً] گوشت کا اتنا سا ٹکڑا جسے چبانا ممکن ہو اس کی جمع "مضغ" آتی ہے [أَجلِه] مدت عمر [فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ] اس پر تحریر غالب آ جاتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا علم یا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تحریر مراد ہے یا وہ تحریر مراد ہے جو اس وقت لکھی گئی تھی جبکہ یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھا۔

فوائد: نبی ﷺ نے اس حدیث مبارک میں انسان کے تخلیقی مراحل، تقدیر اور آخرت کے انجام

---

[1] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائكة، حدیث:3208 و صحیح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي، في بطن أمه، و كتابة رزقه و أجله و عمله، و شقاوته و سعادته، حديث: 2643



کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ انسانیت کی ابتدا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ ان کے متعلق قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے کہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، بعد ازاں حضرت حوا کو پیدا کیا گیا اور پھر اس جوڑے سے ان کی نسل پھلی اور پھیلی۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا مادۂ تخلیق جسے ''نطفہ'' کہا جاتا ہے وہ رحم مادر میں پہنچ کر چالیس دن تک اسی کیفیت میں رہتا ہے اور اس کا خمیر تیار ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے مرحلے میں ''علقہ'' یعنی جامد خون کی شکل میں بدل جاتا ہے یہ حالت بھی صرف چالیس یوم تک رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ تیسرے مرحلہ میں ''مُضغہ'' یعنی گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ یہ حالت بھی چالیس دن تک رہتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کو ''کُنْ'' کہہ کر ایک لمحہ سے بھی پہلے پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کی مشیت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق تدریجاً ہو اس میں لاتعداد مصالح اور حکمتیں ہیں۔ مثلاً:

- اگر بچہ رحم مادر میں یہ تمام مراحل یکدم طے کر لے تو ماں کے لیے اس کا برداشت کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ یہ مختلف مراحل ماں کے لیے سہولت کا باعث ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کی قدرت و کبریائی کا اظہار بھی ہے۔ انسان اپنی تخلیق کے ان مراحل پر غور کرے تو غرور و تکبر سے باز رہے۔ قرآن مجید میں بار بار انسانوں کو اپنی حقیقت پر غور کرنے کی توجہ دلائی گئی ہے۔
- اللہ تعالیٰ بدبودار پانی کے قطرے سے انسان بنانے پر قادر ہے تو مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا بھی اس کے لیے کوئی مشکل نہیں۔
- اس میں انسانوں کو یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ انھیں اپنے تمام معاملات کو اطمینان سے تدریجاً سرانجام دینا چاہیے۔ عجلت میں کوئی فائدہ نہیں۔ قدرت و طاقت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کو دفعتاً پیدا نہیں کیا۔ زمین و آسمان چھ دنوں میں پیدا کیے، لہٰذا انسان

کو بھی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔

ان کے علاوہ بھی اس میں لاتعداد مصلحتیں ہوں گی اہل علم غور کر سکتے ہیں۔ چالیس چالیس دن کے تین مراحل مکمل ہونے کے بعد اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو آ کر اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کے متعلق چار امور لکھ دیتا ہے: رزق، عمر، عمل، اور انجام یعنی شقی ہوگا یا سعید۔ یہ امور انسان کی تقدیر کہلاتے ہیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کی تقدیر زمین و آسمان کی تخلیق سے بھی بہت پہلے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ یہ لکھنا لوح محفوظ سے الگ ہے۔ لوح محفوظ تو پوری کائنات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہے، جبکہ اس تحریر کا تعلق صرف پیدا ہونے والے اس ایک فرد سے ہوتا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس فرد کے متعلق جو کچھ ہوتا ہے فرشتے پر اس کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔

تقدیر کے مسئلہ میں اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ ہمارے نیک و بد ہونے اور جنتی یا جہنمی ہونے کے فیصلے پہلے ہی ہو چکے ہیں تو اب عمل کرنے کا فائدہ یا ضرورت کیا ہے۔ یہ سب تقدیر سے لاعلمی کی بنا پر ہے۔ تقدیر محض اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کی روشنی میں ہر انسان کے بارے میں پہلے سے جانتا ہے کہ یہ شخص کس قسم کے اعمال کرے گا اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس میں جبر نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمل کرنے میں انسان کو مکمل طور پر اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو راہ چاہے اختیار کرے اس کی اپنی مرضی ہے۔

ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا:

«اِعْمَلُوا ! فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ»

”تم عمل کرتے رہو۔ ہر ایک کو اس عمل کی توفیق مل جائے گی جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔“[1]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب فسنيسره للعسرىٰ، حديث :4949 و صحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه......، حديث :2647

نیز دیکھیں کہ انسان کے رزق کے متعلق بھی تو فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ شخص فلاں فلاں رزق کھائے گا، وہ رزق اسے لامحالہ مل کر رہے گا لیکن اس ایمان کے باوجود انسان حصولِ رزق کے لیے مکمل محنت کرتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اسی طرح اس کی عمر کے متعلق بھی پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اس کے باوجود اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے ہزاروں جتن کرتا ہے اور حوادث وخطرات سے بچنے کے لیے پوری کوشش کرتا ہے حالانکہ موت برحق ہے اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت آئے گا لیکن موت پر یقین کے باوجود ممکن حد تک انسان اپنے آپ کو خطرات سے بچاتا ہے۔ اسی طرح انسان چونکہ اپنے متعلق نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا انجام کیا لکھا ہے۔ اسے اپنا انجام بہتر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنی چاہیے۔

شقی یا سعید

جس شخص میں حق کو قبول کرنے اور اعمال صالحہ بجا لانے کی صلاحیت ہو اور وہ حق کے مطابق نیک اعمال کرے تو وہ سعید ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شخص کو شقی (بدبخت) کہا جاتا ہے۔اس کے بعد نبی ﷺ نے قسم اٹھا کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، کوئی شخص ساری زندگی اہل جنت کے اعمال (صالحہ) کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ جنت میں جانے کے قریب ہوتا ہے کہ وہ نوشتہ اس پر غالب آ جاتا ہے اور وہ کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص برے اعمال کر کے جہنم میں جانے والا ہو جاتا ہے کہ اس پر سابقہ تحریر غالب آ جاتی ہے اور وہ توبہ اور نیک اعمال کر کے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ اس تحریر کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ انسان کے اپنے کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے یا کسی دوسرے شخص کے ظاہری اعمالِ صالحہ کو دیکھ کر اس کے قطعی جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، نہ معلوم آئندہ زندگی میں اس کے اعمال کیسے ہوں؟ اسی طرح اس کے گناہوں کو دیکھ کر قطعی جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ توبہ کر لے اور نیک عمل کر کے اپنے رب کو راضی کر لے اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو کیونکہ زندگی کے آخری لمحہ تک نیکی یا بدی کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔

اس حدیث میں نیک اعمال کی ترغیب ہے کہ شاید یہی زندگی کا آخری لمحہ ہو اسی طرح گناہوں سے نفرت دلائی گئی ہے نہ معلوم یہ وقت زندگی کا آخری لمحہ ہو اور گناہ کرتے ہوئے موت آ گئی تو انجام بخیر نہ ہو۔ کیونکہ انسان کو اپنی موت کا کوئی علم نہیں کہ کب آ جائے اس لیے اسے ہر وقت اس کی فکر ہونی چاہیے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی:

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ»

''اے دلوں کو پھیرنے والے (اللہ!) میرے دل کو دین پر ثابت رکھ۔''[1]

ایک اور دعا ہے:

«يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى طَاعَتِكَ»

''اے دلوں کو پھیرنے والے (اللہ!) میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھ۔''[2]

نیز قرآن مجید میں مسلمانوں کو دینِ اسلام کی سلامتی کے لیے یہ دعا سکھائی گئی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ

---

[1] جامع الترمذي، الدعوات، باب دعاء: يا مقلب القلوب، حديث: 3522 وانظر صحيح الجامع الصغير للألباني، حديث: 7987

[2] مسند أحمد: 418/2



اَلْوَھَّابُ ﴿۸﴾

"اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز کیا تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ہدایت سے نہ موڑ اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز۔ بے شک تو بے حد وحساب عطا فرمانے والا ہے۔"[1]

یہ دعا ہر نماز میں یا نماز کے بعد ضرور کرنی چاہیے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔



---

[1] آل عمران 8:3

بدعت کی مذمت

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أُمِّ عَبْدِاللهِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ «مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»

ام المومنین ام عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص ہمارے دین میں کسی ایسی بات کو جاری کرے جو اس دین میں نہیں ہے۔ تو وہ بات (عمل) مردود ہے۔'' مسلم کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''جو شخص ایسا عمل کرے جس کا ہمارے دین میں حکم نہیں تو وہ (عمل) مردود ہے۔''[1]

لغوی تشریح: [مَنْ أَحْدَثَ] جو شخص اپنی طرف سے جاری کرے [فِي أَمْرِنَا] ہمارے اس دین میں جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے منتخب فرمایا ہے [مَا لَيْسَ مِنْهُ] ایسا عمل جو دین کے منافی اور مخالف ہو یا وہ ایسا عمل ہو جس کی تائید دین کے عمومی قواعد و دلائل سے نہ ہوتی ہو [فَهُوَ رَدٌّ] وہ فعل اپنے بطلان اور عدم اعتبار کے سبب اسی فاعل پر لوٹا دیا جائے گا۔

فوائد: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث مبارک میں فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات جاری کرے جس کا اس میں حکم نہیں ہے یا اس کا وجود نہیں ہے تو وہ مردود

---

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: 2697 وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، حديث: 1718



ت۔ دین اسلام، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے چنانچہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔''[1]

جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین، مذہب یا طریقہ اختیار کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز سند قبولیت نہیں پا سکتا، چنانچہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾﴾

''جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین یا مذہب اختیار کرے وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔''[2]

انسان اپنی کمزوری اور لاعلمی کے باعث نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے اس لیے انسانوں کے لیے دین، مذہب اور ضابطۂ حیات بھی خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے۔ جس میں کسی کو ترمیم یا تنسیخ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِى وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے اور تمھارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا ہے۔''[3]

چونکہ دین ہر لحاظ سے مکمل ہے اس میں کسی اعتبار سے کوئی کمی نہیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنی طرف سے دین میں کسی بات کا اضافہ کرے تو گویا ایسا شخص دین کو ناقص سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ

---

① آل عمران 19:3 ② آل عمران 85:3 ③ المائدۃ 3:5

کے مقام یا منصب رسالت پر خود فائز ہونا چاہتا ہے۔ جس چیز کی دین میں بنیاد نہ ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت نہ دی ہو، اسے از خود نیکی سمجھتے ہوئے دین کا حصہ سمجھنا یا باعث ثواب گرداننا گمراہی ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں ایسا عمل بدعت کہلاتا ہے۔ نبی ﷺ نے بار ہا بدعت کی مذمت فرمائی اور اس کے ہولناک انجام سے ڈرایا ہے۔ آپ ﷺ ہر خطبے کے آغاز میں فرمایا کرتے تھے:

«وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»

''(بے شک) دین میں نئے کام سب سے برے ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»

''ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔''[2]

اسی لیے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہمیں صاف اور روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی رات کی تاریکی بھی دن کے مانند روشن اور واضح ہے۔''[3]

یعنی اس میں اندھیرا نہیں ہے۔ اس سے انحراف کرنے والا تباہ ہوگا۔ حضرت مولانا حاکم

---

① صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 867 وسنن النسائي، العيدين، باب كيف الخطبة، حديث: 1579 وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، حديث: 45

② سنن النسائي، صلاة العيدين، باب كيف الخطبة، حديث: 1579

③ سنن ابن ماجه، المقدمة، باب إتباع سنة رسول الله ﷺ، حديث: 5



علی صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ کراچی، فرمایا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کا وجود مسعود دنیا میں دن کے مانند اور آپ کا اس دنیا سے رخصت ہو جانا رات کی مثل ہے۔ لیکن دین اس قدر واضح اور صاف ہے کہ آپ کے بعد بھی امت کے لیے دین کے مسئلے میں کوئی ابہام نہیں۔ اسلام ہر اعتبار سے مکمل دین اور جامع نظریۂ حیات ہے اور اس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق واضح احکام اور ہدایات موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر اپنی طرف سے کسی کو اس میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ”میرے بعد بہت سے اختلافات رونما ہوں گے تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور دین میں ایجاد کردہ نئی نئی باتوں سے احتراز کرنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“[1]

بدعت نہ صرف ایک خلاف شریعت عمل ہے بلکہ اختلاف و انتشار کا سبب بھی ہے۔ اس سے امت میں گروہ بندی اور فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ بدعت سنت کی ضد ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حسان بن عطیہ رحمہ اللہ سے منقول ہے: ”جس قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی تو ان سے اسی قدر سنت اٹھا لی جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو لوگوں کی طرف نہیں لوٹاتا۔“ (تفصیل کے لیے: مشکوٰۃ للألبانی: 66/1)

اس تفصیل سے بدعت کی شناخت واضح ہوتی ہے کہ بدعت نہ صرف ایک مذموم عمل ہے بلکہ یہ پرلے درجے کی گمراہی اور دخولِ جہنم کا سبب بھی ہے۔ بعض بدعتی حضرات اپنی ایجاد کردہ بدعات کو سندِ جواز دینے کے لیے بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بدعت سیئہ مذموم ہے اور بدعتِ حسنہ مستحسن ہے۔ یہ محض شیطانی دھوکا اور وسوسہ ہے ورنہ نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق [كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ] ہر بدعت گمراہی اور [كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ] ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4607 جامع الترمذي، حديث: 2676

حلال، حرام اور اصلاحِ قلب

عَنْ أَبِی عَبْدِاللهِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: سمعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرام بيّنٌ، وَبَيْنَهُما أُمُورٌ مُّشْتَبِهَاتٌ لَّا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاس، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَّقَعَ فی الشُّبُهَاتِ وقع فِی الْحَرَامِ، كَالرَّاعِی يَرْعٰی حَوْلَ الْحِمٰی يُوشِكُ أَنْ يَّرْتع فِيهِ، أَلَا! وَإِنّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًی، أَلا! وَإِنّ حِمَی اللهِ مَحارِمُهُ، أَلا! وَإِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صلحتْ صَلَحَ الْجَسدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ، فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا! وَهِیَ الْقَلْبُ»

ابوعبداللہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ''حلال چیزوں کا حکم بالکل واضح ہے اور حرام چیزوں کا حکم بھی واضح ہے۔ ان دونوں (حلال وحرام) کے درمیان کچھ امور متشابہ ہیں جن کی حلت وحرمت کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص اس قسم کی غیر واضح اشیاء سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا۔ اور جو شخص اس قسم کے امور کو اختیار کرنے لگے، وہ حرام میں یوں جا پڑے گا جیسے کوئی چرواہا چراگاہ کے آس پاس جانور چرائے تو ہوسکتا ہے کہ جانور چراگاہ میں جا پہنچیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور



اللہ تعالیٰ کی چراگاہ سے مراد اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔''[1]

لغوی تشریح: [بَيِّنٌ] ''ظاہر'' ان سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی حلت وحرمت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نص یا مسلمانوں کے اجماع سے واضح طور پر ثابت ہے۔ [مُشْتَبِهَاتٌ] سے مراد وہ امور اور اشیاء ہیں جن کی حلت وحرمت کے دلائل واضح نہ ہوں بلکہ بعض دلائل میں ان کی حلت کا اشارہ ہو اور بعض سے ان کی حرمت معلوم ہوتی ہو۔

وجوہِ اشتباہ

- اختلاف علماء، کیونکہ تحقیق یا ترجیح دلائل میں اختلاف ہو سکتا ہے۔
- بعض امور ایک اعتبار سے قابل ترک اور ایک لحاظ سے لائق اخذ ہوں، جیسے عورتوں کا بار بار قبرستان جانا۔
- بعض اشیاء اصل میں حلال ہیں لیکن بعد میں کسی حجت، قصہ یا قرینہ وعلامت کی بنا پر اس کی حرمت کا اشتباہ پیدا ہوا جیسے کسی نے، اپنا شکاری کتا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا لیکن بعد میں اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شریک ہو گیا۔
- دلائل میں تعارض ہے۔
- یا اس سے مراد مباح یا مکروہ یا ان اشیاء کا کثرت سے استعمال ہے۔

علماء کا قول ہے کہ مباح اشیاء کا زیادہ استعمال، مکروہ کے ارتکاب کا پیش خیمہ ہے اور مکروہ اشیاء کا عام استعمال حرام کے ارتکاب کا باعث بنتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث :52، 2051 و صحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال و ترك الشبهات، حديث :1599

[اتَّقَى الشُّبُهَاتِ] ان مشتبہ امور سے بچا۔ [فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ] اس نے اپنی دینی حالت کو شرعی مذمت سے اور اپنی عزت کو لوگوں کے طنز سے محفوظ کر لیا۔ [وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ] یعنی جو شخص جرأت کر کے اس قسم کے غیر واضح امور کو اختیار کرے اور ان کا ارتکاب کرے تو اس سے اس میں دینی تساہل پیدا ہو جاتا ہے جس کے نتیجہ میں بالعموم صریحاً حرام کے ارتکاب کی جرأت بھی ہو جاتی ہے۔

فوائد: نبی ﷺ نے اس حدیث مبارک میں فرمایا کہ شرعی طور پر جو چیزیں حلال یا حرام ہیں ان کا حکم بالکل واضح ہے اور ان کے لیے کتاب وسنت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حلت وحرمت کی صراحت نہیں۔ ایسی صورت میں آپ ﷺ نے ایک جامع اصول بیان فرمایا کہ جس چیز کی حلت وحرمت واضح نہ ہو اس سے اجتناب ہی کیا جائے کیونکہ اگر آدمی اس قسم کی مشکوک اشیاء سے پرہیز نہ کرے تو اندیشہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ حرام اشیاء بھی استعمال کر لے گا۔ نبی ﷺ کا بھی یہی معمول مبارک تھا کہ آپ مشتبہ اشیاء سے بہت احتیاط فرماتے تھے۔ آپ کو اگر کہیں سے کوئی کھجور مل جاتی تو محض اس خوف سے نہ کھاتے کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ جا رہے تھے، راستے میں کھجور پڑی ملی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ آپ نے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور نکال دی کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو جو میرے اور میری آل کے لیے حلال نہیں۔[1]

اس لیے امت کو مشتبہ امور سے بچنے کی ہدایت فرمائی کہ اس سے انسان کا دین اور عزت دونوں محفوظ رہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی بات ایک چرواہے کی مثال دے کر واضح فرمائی جو

---

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ ﷺ وھم بنو ھاشم و بنو المطلب دون غیرھم حدیث: 1069



بادشاہ کی مقرر کردہ چراگاہ کے ارد گرد جانوروں کو چرائے تو ممکن ہے کہ اس کے جانور سلطانی چراگاہ کے اندر جا داخل ہوں۔ جس سے بادشاہ خفا ہو اور اسے سزا دے۔ آپ نے فرمایا: جس طرح بادشاہ کی کچھ مقررہ حدود ہوتی ہیں جنھیں توڑنے اور ان سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی کچھ حدود ہیں۔ اس کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انسان کے سینے میں دھڑکنے والے دل کے متعلق فرمایا کہ اس کا خاص خیال رکھا کرو۔ سارے جسم کا دارومدار دل پر ہے۔ دل کا بگاڑ پورے جسم کا بگاڑ اور دل کی اصلاح سے پورے جسم کی اصلاح ہوتی ہے۔ دل کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا»

''یا اللہ! میرے دل کو (اپنے دین اور اطاعت کے نور سے) منور فرما۔''[1]

دل انسانی افکار و خیالات، جذبات و احساسات اور تمام جسمانی حرکات و سکنات کا مرکز اور محور ہے۔ پہلے دل میں کوئی ارادہ یا خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد انسان اسے عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس لیے دل کی اصلاح بدن کی اصلاح سے مقدم ہے کیونکہ بدن، دل کا تابع ہے۔ پیشِ نظر حدیث میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ احکام دین کی بجا آوری میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ تقویٰ اسی چیز کا نام ہے کہ انسان حرام اور مکروہات کے ساتھ ساتھ ایسی مباح چیزوں کو بھی ترک کر دے جن میں کراہت یا حرمت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ اسی تقویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاري، الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه من الليل، حديث: 6316 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔''[1]

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيبُكَ»

''جو باتیں شک میں ڈالیں انھیں چھوڑ دو اور جو شک میں نہ ڈالیں انھیں اختیار کرو۔''[2]

ایک اور موقع پر آپ نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

«اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا»

''اصل تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔''[3]

چونکہ پورے جسم کا دارومدار دل پر ہے اس لیے اس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ دل کی اصلاح پورے جسم کی اصلاح ہے۔



[1] آل عمران 102:3

[2] جامع الترمذی، صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل .....، حديث: 2518

[3] صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله .....، حديث: 2564



باب:۷۔ الدين النصيحة

دین سراپا خیر خواہی ہے

عَنْ أَبِي رُقَيَّةَ تَمِيمِ بْنِ أَوْسٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**الدِّينُ النَّصِيحَةُ**» قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: «**لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ**»

ابورقیہ سیدنا تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' ہم (صحابہ) نے کہا: (خیر خواہی) کس کے لیے ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے۔''[1]

لغوی تشریح: [اَلنَّصِيحَةُ] کسی چیز کو خالص اور صاف کرنا۔ اس سے اشتقاق کر کے عرب کہتے ہیں [نَصَحْتُ الْعَسَلَ] میں نے شہد کو صاف کیا۔ یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کو موم سے خوب صاف کر لیا جائے۔ ایک قول کے مطابق، نصیحت کا لفظ [نَصَحَ الرَّجُلُ ثَوْبَهُ] سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنا کپڑا سی کر درست کرے۔ گویا اس طرح منصوح کے ساتھ ناصح کے عمل کو کپڑے کے درست کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ نے اس مختصر حدیث مبارک میں فرمایا: [الدين النصيحة] دین خیر خواہی کا نام ہے اور اس کا دارومدار نصیحت یعنی ہمدردی اور خیر خواہی پر ہے۔ نصیحت ایک

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، حديث: 55

جامع لفظ ہے جس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ یہاں اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ حقدار کے حق کی حفاظت کرنا۔ اردو میں اس لفظ کا مفہوم، حق ادا کرنا، خیر خواہی اور اخلاص ہے۔ یہ چیز دین کا اصل جز ہے۔ اسی لیے جب آپ نے فرمایا کہ دین ''نصیحت'' کا نام ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! یہ نصیحت کس کے حق میں ہو۔ تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لیے۔''

اللہ تعالیٰ کے حق میں نصیحت

انسان صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے احکام کی اطاعت کرے، اس کی ذات اور صفات اور حقوق میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، اسے ہر عیب سے پاک و منزہ سمجھے۔ اسی سے محبت رکھے۔ اس کی نافرمانی سے بچے، جو کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ کرے اور جن کاموں سے وہ ناراض ہوتا ہے ان سے بچے۔

کتاب اللہ کے حق میں نصیحت

قرآن پر ایمان رکھے، اور پوری توجہ کے ساتھ اس کی تلاوت کرے۔ معانی اور مطالب پر غور کرے اور امکانی حد تک اس پر عمل بھی کرے۔

رسول کے حق میں نصیحت

آپ کی رسالت پر ایمان لائے۔ سب سے بڑھ کر آپ سے محبت رکھے، آپ کی تعظیم کرے، آپ کی سنت و احکام پر عمل کرنے کا شیدائی ہو، اور اپنی زندگی کو اسوۂ رسول میں ڈھالنے میں کوشاں رہے۔



ائمہ مسلمین کے حق میں نصیحت

مسلمان ائمہ (حکام) کے حق میں نصیحت یہ ہے کہ دین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کی اطاعت کرے، انھیں اچھے مشورے دے، غلطی سے آگاہ کرے، انھیں ظلم و تعدی سے روکے اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرے۔

عامۃ المسلمین کے حق میں نصیحت

ان کے ساتھ ہمدردی رکھے، حسنِ سلوک سے پیش آئے، ممکن حد تک ہر ایک کو فائدہ پہنچائے، کسی کو ایذا نہ دے، بڑوں کا احترام کرے اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آئے۔ ان کے عیوب پر پردہ ڈالے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتا رہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«بَایَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلٰی إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِیتَاءِ الزَّکٰوةِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ»

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین باتوں کی بیعت کی: ① اقامت صلوٰۃ یعنی پابندی سے نماز پڑھنا۔ ② زکاۃ ادا کرنا۔ ③ اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔''[1]

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ زندگی بھر اس عہد کے پابند رہے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرتے رہے۔ ان کے فضائل و مناقب کے سلسلہ میں حافظ طبرانی رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کوئی گھوڑا خرید لائے۔ خادم نے تین سو درہم کا گھوڑا خریدا اور گھوڑے کے مالک کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تاکہ اسے قیمت ادا کر دی جائے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے فرمایا: تم نے یہ تین سو کا بیچا ہے لیکن گھوڑا اس سے زیادہ قیمت کا ہے۔ کیا تم اسے چار سو درہم میں بیچنے پر تیار

ہو؟ اس نے کہا: آپ کی مرضی ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: تمھارے گھوڑے کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ کیا پانچ سو میں ٹھیک ہے؟ اسی طرح آپ سو سو درہم بڑھاتے گئے اور مالک راضی ہوتا گیا۔ وہ کیوں راضی نہ ہوتا اسے تو تین سو کے بجائے زیادہ رقم مل رہی تھی۔ آخر انھوں نے وہی گھوڑا آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ انھیں کہا گیا کہ حضرت! یہ گھوڑا تین سو میں مل رہا تھا آپ نے اتنی زیادہ رقم کیوں دے دی تو انھوں نے فرمایا: میں نے نبی ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔[1]



[1] فتح الباری: 183/1 تحت حدیث: 57، طبع دار السلام



باب:۸۔ حرمة المسلم

مسلمان کے مال و جان کا تحفظ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:
«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الإِسْلَامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں تا آنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں۔ جب وہ یہ کام کر لیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کر لیں گے سوائے کسی اسلامی حق کے۔ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوگا۔''[1]

لغوی تشریح: [أُمِرْتُ] مجھے حکم دیا گیا ہے یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے [اَلنَّاسَ] بت پرست مشرک لوگ [يُقِيمُوا الصَّلَاةَ] نماز کو اس طرح ادا کریں جیسے اسے ادا کرنے کا حکم ہے۔ اس سے نماز کا دوام مراد ہے [يُؤْتُوا الزَّكَاةَ] یہاں تک کہ وہ زکاۃ کو مستحقین

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاة وء اتوا الزكاة فخلوا سبيلهم، حديث: 25 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله......، حديث: 22

تک پہنچا دیں[عَصَمُوْا] بچا لیا اور محفوظ کر لیا۔ اسی سے اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰه کا لفظ مشتق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ اس کی نافرمانی سے بچ گیا۔ [إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ] یہ استثنا منقطع ہے اس کا معنی ہے کہ اپنی جانوں اور اموال کے بچا لینے کے بعد ان پر واجب ہے کہ وہ ضروریات دین کو پورا کریں اور جو شخص ان کا تارک ہو، اسے قتل کرنا جائز ہے۔ مثلاً کوئی شادی شدہ زنا کرے، یا کوئی قبولِ ایمان کے بعد مرتد ہو جائے، یا کسی کو ناحق قتل کرے وغیرہ[وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ] ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کیونکہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

فوائد: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث مبارک میں یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہو، نماز اور زکاۃ کا پابند ہو تو شرعی طور پر اس کا خون اور مال محفوظ ہے اور کسی کو اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی اجازت نہیں۔ اس طرح آپ نے قرآنی آیت ﴿ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ ''ان کی راہ چھوڑ دو'' کی توضیح و تشریح فرما دی۔ بلکہ حد یہ ہے کہ اگر عین میدانِ قتال میں دورانِ جنگ کوئی کافر زبان سے کلمۂ اسلام کہہ دے تو اس سے بھی لڑنے یا اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں۔ ایک لڑائی کے دوران میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کسی کافر پر غالب آ گئے۔ وہ اسے قتل کرنے کے قریب تھے کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر انھوں نے اسے شدت جذبات میں قتل کر دیا کہ یہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ واپس آ کر یہ ماجرا نبی ﷺ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا؟'' انھوں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے محض جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا: أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِه تو نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا کہ وہ صدقِ دل سے کلمہ پڑھ رہا ہے یا محض جان بچانے کی خاطر۔ آپ نے یہ بات اتنی بار دہرائی کہ اس نے تمنا کی کہ میں پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا، آج مسلمان ہوتا، تاکہ اس جرم



سے بچ جاتا۔[1]

لہٰذا جو شخص کلمۂ اسلام پڑھ کر اسلامی احکام پر کاربند ہو تو اس کا خون اور مال محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن شریعت کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور ان کی خلاف ورزی کی صورت میں اسے کسی قسم کا تحفظ حاصل نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض قبائل کے خلاف محض اس لیے جنگ کی گئی تھی کہ وہ لوگ زکاۃ کا انکار کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ جو مسلمان اسلامی حدود کی خلاف ورزی کرے تو وہ شرعی حد سے نہیں بچ سکتا۔ مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اِلاّ یہ کہ مقتول کے ورثا معاف کر دیں یا خون بہا (دیت) لینے پر راضی ہو جائیں۔ اسی طرح جرم ثابت ہونے پر چور کو بھی سزا دی جائے گی۔ الاّ یہ کہ صاحب مال اسے عدالت میں پیش کرنے سے پہلے معاف کر دے۔ معاملہ عدالت میں آ جانے کے بعد صاحب مال کو معاف کرنے کا حق نہیں رہتا۔ اور جرم ثابت ہونے پر شرعی حدود کے مطابق سزا دی جائے گی اور حد نافذ کی جائے گی لیکن اگر کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہو اور لوگوں کو پتہ نہ چل سکے تو ایسی صورت میں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ پڑھ لیا اس کا مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اس کے باقی اعمال کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔'' مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر کوئی کافر میدان جنگ میں میرا ہاتھ کاٹ ڈالے، پھر درخت کی اوٹ میں آ کر کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کیا تو کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں'' اس نے پھر کہا: کہ اس نے کلمہ پڑھنے سے پہلے میرا ہاتھ کاٹا تھا۔ آپ نے فرمایا: اب جب کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو چکا ہے، تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے اسے

---

(1) صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم قتل الكافر بعد قوله: لا إله إلا الله، حديث: 95

قتل کیا تو اسے قتل کرنے سے پہلے تمھارا جو درجہ تھا وہ اس درجے پر ہوگا اور تم اس کے درجے پر۔ یعنی پہلے اس کا خون بہانا جائز تھا اور تیرا قتل جائز نہ تھا۔ اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں اور تجھے قتل کرنا جائز ہوگا۔"[1]

حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے مسلمانوں کا ایک دستہ مشرکین کے مقابلے کے لیے روانہ فرمایا۔ لڑائی میں ایک مشرک بڑا بہادر اور نشانہ باز تھا۔ وہ جس مسلمان پر حملہ کرتا جھپٹ کر اسے قتل کر ڈالتا۔ ایک مسلمان نے غالبًا وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے، اسے اچانک جالیا۔ اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے فوراً لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لیا۔ مگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ ایک شخص نبی ﷺ کو خوشخبری دینے مدینہ منورہ آیا۔ اس نے تمام احوال سنائے تو یہ واقعہ بھی بیان کیا۔ آپ نے اسے (قاتل کو) بلایا اور پوچھا تم نے اسے کیوں قتل کیا۔ اس نے بتایا، یا رسول اللہ! اس نے مسلمانوں کا بڑا جانی و مالی نقصان کیا اور فلاں فلاں مسلمان کو قتل کیا تھا۔ میں اس پر حملہ آور ہوا تو اس نے تلوار دیکھ کر فوراً کلمہ پڑھ لیا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا واقعی تم نے اسے قتل کر ڈالا۔'' اس نے اقرار کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''جب قیامت کو یہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ آئے گا تو تم کیا کرو گے۔'' اس نے کہا: میری مغفرت کی دعا کریں مگر آپ بار بار یہی دہراتے رہے ''تم قیامت کے دن کیا کرو گے۔ تمھارا کیا بنے گا کہ تم نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا۔''[2]

یہی وجہ ہے کہ منافقین کو مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ دلی طور پر کلمے کا اقرار نہیں کرتے۔ نبی ﷺ نے منافقین کے متعلق حتمی علم ہونے کے باوجود ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا ، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا ، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا ، فَذٰلِكَ

① صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم قتل الکافر......، حدیث: 95

② صحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم قتل الکافر......، حدیث: 97



الْمُسْلِمُ الَّذِی لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِی ذِمَّتِهِ»

’’جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پناہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔‘‘[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ہم ظواہر شریعت کے پابند ہیں۔ جو شخص پابند صوم وصلوٰۃ ہو، اسے کافر نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس کی جان و مال کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے [إلّا بحق الإسلام] یعنی حدودِ اسلامیہ کی خلاف ورزی کرنے پر اس کی جان یا مال کو کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکاۃ کے خلاف جہاد کیا تھا۔



[1] صحیح البخاری، الصلاۃ، باب فضل استقبال القبلۃ، حدیث: 391

اعتدال کی راہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «**مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ، فَافْعَلُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ**»

سیدنا ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں تمھیں جس کام سے منع کروں اس سے باز رہو اور جس کام کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجا لاؤ۔ تم سے پہلے لوگوں کو ان کے کثرت سوالات اور انبیاء سے اختلاف نے ہلاک کر ڈالا تھا۔''[1]

فوائد: اس حدیث مبارک میں رسول اکرم ﷺ نے دو باتیں ذکر فرمائی ہیں: اطاعتِ رسول کی اہمیت اور سابقہ اقوام کی ہلاکت کے بعض اسباب۔ انبیاء و رسل کی بعثت کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ ان کے احکام و ہدایات کی پیروی کی جائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ﴾

---

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7288 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ، وترك إكثار سؤاله عما لا ضرورة إليه ...... حديث: 1337 قبل: 2357



''ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔''[1]

قرآن مجید میں متعدد مرتبہ حکم آیا ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾

''فرما دیجیے، تم اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''[2]

ایک جگہ فرمایا:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''[3]

بالخصوص نبی ﷺ کے متعلق امت کو فرمایا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''البتہ تمھارے لیے رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں اسوۂ حسنہ ہے۔''[4]

بلکہ نبی ﷺ کی اطاعت ہی ہدایت کا معیار ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾

''اگر تم نبی کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔''[5]

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾

''اور رسول تمھیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔''[6]

---

(1) النساء 64:4 (2) آل عمران 32:3 (3) النساء 80:4 (4) الأحزاب 21:33

(5) النور 54:24 (6) الحشر 7:59

یہی بات خود نبی ﷺ نے پیش نظر حدیث میں یوں بیان فرمائی:

«مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»

''میں تمھیں جس کام سے منع کردوں اس سے باز رہو اور جس کام کا تمھیں حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجالاؤ۔''[1]

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ تو انھوں نے کٹ حجتیاں شروع کردیں کہ وہ گائے کیسی ہو۔ کس عمر اور کس رنگ کی ہو۔ ان سب باتوں کی وضاحت کردی گئی تو پھر بھی کہنے لگے کہ ہم پر گائے کا معاملہ مشتبہ ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ خوب اچھی طرح بیان فرمائے چنانچہ مزید وضاحت چند پابندیوں کے ساتھ کردی گئی۔ وہ اگر زیادہ سوال نہ کرتے بلکہ حکم سن کر جیسی بھی گائے ذبح کردیتے تو حکم کی تعمیل ہوجاتی، چنانچہ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْـَٔلُوا۟ رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ﴾

''کیا تم بھی اپنے رسول سے اس طرح سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح تم سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے۔''[2]

اسی طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا:

﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ ٱلسَّمَآءِ﴾

''کیا آپ کا رب آسمان سے پکا پکایا کھانا ہم پر نازل کرسکتا ہے۔''[3]

(1) صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7288 وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ، وترك إكثار سؤاله، حديث:1337

(2) البقرة 108:2 (3) المائدة 112:5



اس قسم کے بے جا سوالات کی بنا پر وہ لوگ ہلاک ہوئے۔ کسی امر کی توضیح اور کسی ضرورت کے تحت سوال کرنے کی اجازت ہے، لیکن خواہ مخواہ سوال در سوال کرتے رہنا اور دوسروں کو پریشان یا لاجواب کرنے کی خاطر سوال کرنا مذموم ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق آگے بیان کرنے، کثرتِ سوالات اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔''[1]

کوئی عالم اپنے زیر تعلیم اصحاب کے امتحان کی خاطر ان سے کوئی سوال کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض باتیں پوچھ لیا کرتے تھے۔[2]

اسی طرح اگر کسی مسئلہ کی وضاحت اور علم میں اضافے کی نیت سے سوال کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! تم پر (بیت اللہ کا) حج فرض کیا گیا ہے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال۔ آپ شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا: میں اگر ہاں کہہ دیتا تو یہ ہر سال فرض ہو جاتا اور اس صورت میں تم عمل نہ کر سکتے۔''[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ»

''میں تمھیں جس امر میں جہاں چھوڑ دوں مجھے وہیں رہنے دیا کرو اور مزید پوچھ گچھ نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے سوالات اور ان سے اختلاف ہی کے سبب

---

① صحیح مسلم، الأقضیة، باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة ......، حدیث : 1715

② صحیح البخاری، العلم، باب طرح الإمام المسألة علی أصحابه......، حدیث : 62 و صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب مثل المؤمن مثل النخلة، حدیث : 2811

③ صحیح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة فی العمر، حدیث : 1337

ہلاک ہوئے۔''[4]

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نبی کی مخالفت اور بے جا سوالات کرنے کے نتیجے میں امت ہلاک ہو جاتی ہے۔ اسی لیے غیر ضروری سوالات سے منع کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر عیاں ہو جائیں تو تمھیں ناگواری ہو۔''[1]

بنی اسرائیل غیر ضروری سوالات کر کے انبیاء کو تکلیف دیا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کے ساتھ بھی منافقین کا یہی طرز عمل تھا، اسی لیے آپ نے خواہ مخواہ کرید سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا: سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی حلال چیز کے بارے میں دریافت کیا اور اس کے سوال کی وجہ سے اسے مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا۔[2]



---

④ سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، حديث: 2

① المائدة 101:5

② سنن أبي داود، السنة، باب لزوم السنة، حديث: 4610



اکلِ حلال، اعمال کی قبولیت کی بنیادی شرط

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ، لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ:** ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾﴾ [المؤمنون: ٥١] وَقَالَ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ﴾ [البقرة: ١٧٢] ثُمَّ ذَكَرَ، الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَٰلِكَ؟»

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا'': اے میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو یقیناً میں تمھارے اعمال خوب جانتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا: اے ایمان والو! ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تمھیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے اس شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرے اس کے بال پراگندہ اور خود غبار آلود ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر یارب! یارب! کہے مگر اس کی حالت یہ ہو کہ اس کا کھانا، پینا، لباس اور غذا ہر چیز حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''[1]

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها، حدیث: 1015

لغوی تشریح: [طَیِّبٌ] ظاہری عیوب سے پاک، یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ عمدہ، اعلیٰ اور اچھی چیز [لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا] وہ وہی اعمال و اموال قبول کرتا ہے جو مفسدات سے پاک ہوں۔ یا یہاں طیب سے مراد حلال ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول فرماتا ہے [أَمَرَ الْمُؤمِنِیْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ] اللہ تعالیٰ نے جو حکم رسولوں کو دیا وہی اہلِ ایمان کو بھی دیا یعنی حلال کھانے کا حکم رسولوں اور اہل ایمان کے لیے برابر ہے [اَشْعَثَ اَغْبَرَ] غبار آلود یعنی حج اور جہاد وغیرہ جیسے امور کی انجام دہی میں طویل سفر کی وجہ سے غبار نے اس کے بالوں کا رنگ بدل ڈالا ہو [یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَی السَّمَآءِ] وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہے یا رب! مجھے فلاں چیز سے محفوظ رکھ وغیرہ [فَأَنّٰی یُسْتَجَابُ لَهُ] یعنی جس کی یہ حالت اور کیفیت ہو اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟

فوائد: اس حدیث مبارک میں رزقِ حلال کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و پاکیزہ رزق کے متعلق جو حکم اپنے انبیاء کو دیا ہے وہی حکم اہل ایمان کو بھی دیا ہے۔ مزید برآں اس حدیث میں رزق حلال کو قبولیت اعمال کی شرط قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔ پراگندہ حال مسافر جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے مگر اس کی غذا اور لباس حرام کا ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ گویا رزقِ حلال اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول کرتا ہے نہ مالِ خیانت میں سے صدقہ۔''[1]

نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے:

''جو شخص حرام کما کر اس میں سے صدقہ کرے اسے کوئی ثواب نہیں ملتا بلکہ اس پر اس

---

[1] صحیح مسلم، الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ، حدیث: 224



کا وبال پڑے گا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص پاکیزہ رزق میں سے خواہ ایک کھجور ہی صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے اور وہ اسے بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔"[2]

رسالت مآب ﷺ نے رزق حلال اور صدق مقال پر جس قدر شدت سے بار بار زور دیا اس سے ان دونوں امور کی زبردست اہمیت پوری طرح اُجاگر ہو جاتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر مہذب قوم اپنی کسی نہ کسی خوبی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے اور اس کی اُسی صفت کی وجہ سے اس کا اعزاز واکرام کیا جاتا ہے۔ قرون اولیٰ سے ماضی قریب تک مسلمانوں کے کردار کی یہ حالت اور شہرت رہی کہ رزق حلال اور سچائی کا اعلان واظہار ہی ان کی سب سے بڑی پہچان تھی۔ مسلمانوں میں حلال کی روزی کمانے اور سچ بولنے کی عادت اس قدر راسخ تھی کہ ساری دنیا نے یہ حقیقت تسلیم کر لی تھی کہ مسلمان ہمیشہ رزق حلال کھاتا ہے اور کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام ان کے لیے کمایا کرتا تھا ایک روز وہ کوئی چیز لایا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ چیز کھالی۔ بعد کو اس نے بتایا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں کہانت کی تھی۔ یہ اس کی مٹھائی ہے ساتھ ہی کہا کہ میرا کہانت پر یقین نہیں، میں نے محض دھوکہ دیا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات اس قدر گراں اور ناقابلِ برداشت معلوم ہوئی کہ انھوں نے فوراً اپنے حلق میں انگلیاں ڈال کر قے کر دی۔[3] انھوں نے شدید اذیت اُٹھانا گوارا کر لیا لیکن اپنے

---

[1] صحیح ابن حبان ، حدیث : 3367 و حسّن إسناده الشیخ شعیب

[2] صحیح مسلم، الزکاة، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب،حدیث : 1014

[3] صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب أیام الجاهلیة ، حدیث : 3842

معدے میں ایک مشکوک لقمے کی موجودگی ان کے لیے ناقابل برداشت ہوگئی۔

رزق حلال کی ضرورت، اہمیت اور افادیت پر مزید روشنی اس حدیث شریف سے پڑتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا کہ حلال روزی کھانا پیغمبروں کا شعار ہے جیسا کہ حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بہترین کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ داود علیہ السلام خود کما کر کھایا کرتے تھے۔''[1]

آپ نے فرمایا:

''مظلوم اور مسافر کی دعا اور والد کی بیٹے کے حق میں دعا ضرور سنی جاتی ہے (بشرطیکہ ان میں سے کوئی حرام نہ کھاتا ہو)۔''[2]

اس ساری تفصیل سے رزق حلال کی اہمیت اور حرام کی مذمت خوب واضح ہوتی ہے۔ اللہ کریم ہمیں حلال کمانے اور کھانے کی توفیق دے اور حرام سے محفوظ رکھے۔ آمین



---

① صحیح البخاری، البیوع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ، رقم: 2072

② سنن أبی داود، الوتر، باب الدعاء بظھر الغیب، ح: 1536



باب: ۱۱۔ الأخذ باليقين و البعد عن الشبهات

شبہات سے اجتناب

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، ۔ سِبْطِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَرَيْحَانَتِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ۔ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ: **«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ»**

رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور آپ کی خوشبو ابو محمد سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان حفظ کر رکھا ہے ''جو بات تمھیں شک میں مبتلا کرے اسے ترک کر دو اور جس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو اسے اختیار کرو۔''[1]

لغوی تشریح: [سِبطِ رَسُولِ اللّٰهِ] رسول اللہ ﷺ کے نواسے یعنی آپ کی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے [رَيحَانَتِهِ] آپ کی خوشبو۔ کیونکہ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتے اور ان کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے اس لیے راوی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کی خوشبو قرار دیا۔ اس تشبیہ کا احادیث میں بھی ذکر آیا ہے [دَعْ مَا يَرِيبُكَ] یعنی جو بات شبہ والی ہو اور اس کی وجہ سے تجھے شک گزرے تو اسے ترک کر دو یہ امر استحباب کے لیے ہے [إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ] اس چیز کو اختیار کر جس کے بارے میں تجھے شک نہ ہو۔ اس سے وہ امور مراد ہیں جن کی حلت خوب واضح ہو۔ قبل ازیں حدیث نمبر 6 میں گزر چکا ہے کہ: [مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ استَبرَأَ لِدِينِهِ وَ عِرضِهِ] جس نے شبہات یعنی مشتبہ امور سے احتیاط کی اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا۔

---

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها و توكل...... ، حديث: 2518 و قال: حسن صحيح و سنن النسائي، الأشربة، باب الحث على ترك الشبهات، حديث: 5714

فوائد: قبل ازیں حدیث نمبر 6 میں بیان ہو چکا ہے کہ دین میں حلال و حرام کا حکم بالکل واضح ہے۔ البتہ بعض امور مشتبہات کی قسم کے ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ ان شبہات سے بچ کر رہنا چاہیے۔ جو شخص ان سے نہ بچے وہ کسی وقت حد سے تجاوز کر کے حرام کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو نبی ﷺ نے اس چرواہے سے تشبیہ دی ہے جو اپنے مویشی سرکاری چراگاہ کے قریب چراتا ہے ممکن ہے کہ کوئی جانور سرکاری چراگاہ میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا مشکوک، مشتبہ اور غیر واضح امور سے بچ کر رہنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے:

«الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ»

''نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ بات ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے۔''[1]

حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''وابصہ! تو پوچھنے آیا ہے کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا: جی ہاں تو آپ ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

«اسْتَفْتِ قَلْبَكَ»

''اپنے دل سے پوچھ۔''

آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ پھر فرمایا: ''نیکی وہ ہے جس سے دل مطمئن ہو اور سکون نصیب ہو۔ اور جس بات سے دل میں خلش پیدا ہو وہ گناہ ہے۔ خواہ لوگ اس کے جواز کا فتویٰ دیں۔''[2]

مطلب یہ ہے کہ جس کام سے دل مطمئن نہ ہو اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اسی چیز کا نام ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تفسیر البر والإثم، حدیث: 2553

[2] یہ حدیث ضعیف ہے، مزید تفصیل کے لیے حدیث: 27 کی تحقیق دیکھیے۔



بامقصد طرزِ زندگی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انسان کے حسن اسلام میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ان کاموں کو ترک کر دے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔''[1]

لغوی تشریح: [مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ] انسان کے حسن اسلام میں سے۔ یعنی اس کے اسلام کے مکمل اور درست ہونے کی علامتوں میں سے [تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ] جن کاموں سے آدمی کو سروکار نہ ہو ان کو ترک کر دینا۔

فوائد: اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ایسے کام ترک کر دے جن سے آدمی کو سروکار نہ ہو۔ یعنی وہ ہر اس کام اور ہر اس چیز سے بے غرض اور لاتعلق رہے جو بے مقصد ہو اور جس سے دنیوی مفاد وابستہ ہو نہ آخرت میں فلاح و کامیابی کی توقع ہو۔ لہٰذا مسلمان کو اس قسم کے بے کار اور بے فائدہ امور سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ آخرت میں کامیاب ہونے والے اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب من حسن إسلام المرءتركه مالا يعنيه،حديث: 2317 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان في الفتنة، حديث: 3976

﴿قَدْ أَفْلَحَ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ ٱلَّذِينَ هُمْ فِى صَلَاتِهِمْ خَٰشِعُونَ ﴿٢﴾ وَٱلَّذِينَ هُمْ عَنِ ٱللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾﴾

''بے شک وہ اہل ایمان فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں اور لغو کاموں سے اعراض کرتے ہیں۔''(1)

لہٰذا ایک مسلمان مومن کو چاہیے کہ وہ بے کار، فضول، بے مقصد اور بے ہودہ باتوں اور بے ہودہ کاموں سے یکسر بے تعلق ہو کر مفید اور بامقصد چیزوں سے تعلق رکھے اور غیر متعلقہ امور سے کنارہ کش رہے۔ یہ حدیث اپنے دامن میں بڑی وسعت اور جامعیت رکھتی ہے۔ اس میں بے کار اقوال و افعال، لغو گفتگو، بے مقصد مطالعہ، بے کار کھیلیں تاش، شطرنج، پتنگ بازی، کرکٹ اور تمام ایسی مصروفیات و مشاغل آ جاتے ہیں جن سے دینی فائدہ ہوتا ہے نہ دنیوی۔ بلکہ ایسی محافل میں بیٹھ کر بعض اوقات انسان لاشعوری طور پر کوئی ایسی بات کہہ جاتا یا کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جس کا اسے احساس تک نہیں ہوتا مگر وہ اس کی ہلاکت اور تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

«عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ»

''بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا والی کوئی ایسی بات کہہ جاتا ہے، اور اسے

(1) المؤمنون 23:1-3



اس کی عظمت کا احساس تک نہیں ہوتا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی والی کوئی بات کہہ جاتا ہے اور اسے اس کی سنگینی کا احساس تک نہیں ہوتا مگر اس ایک بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر قیامت تک ناراض ہو جاتا ہے۔''[1]

اس لیے انسان کو بات کرتے ہوئے ازحد محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہیں لاپروائی اور غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا نشانہ نہ بن جائے۔ فحش کلامی اور زیادہ بولنا بھی کوئی اچھا کام نہیں۔

«عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ»

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: حیا اور عِیی (قلت کلام) ایمان کے دو شعبے ہیں۔ فحش گوئی اور کثرتِ کلام نفاق کے دو شعبے ہیں۔''[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ ''عیی'' کا مفہوم کم گوئی اور قلت کلام ہے ''بذاء'' فحش گوئی کو کہتے ہیں۔ اور ''بیان'' سے مراد کثرتِ کلام ہے جیسا کہ آج کل کے خطباء، خطبوں میں طویل باتیں کرتے اور لوگوں کی بے جا مدح کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں بلکہ ناراض ہوتا ہے۔ ایک انسان خصوصاً مسلمان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔ انسان اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہوگا۔ یہ زندگی اور اس کا کوئی لمحہ اس قدر ارزاں اور بے وقعت نہیں کہ اسے لایعنی مشاغل میں ضائع کر دیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اوقات عزیز کو فلم بینی، تھیٹر، رقص و سرود کی محافل،

---

① جامع الترمذی، الزھد، باب ما جاء فی قلة الكلام، حدیث: 2319

② جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی العی، حدیث: 2027

پتنگ بازی، شطرنج، تاش، کرکٹ وغیرہ جیسے مشاغل کی نذر کرنا دینِ اسلام کے منافی ہے۔ کوئی شخص جہاں دیگر اخلاقِ حسنہ اور عمدہ امور اختیار کرنے کی وجہ سے بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے ان میں بے ہودہ امور سے بچنے کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ لقمان حکیم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو اس قدر فضیلت اور بلند مرتبہ کن باتوں کی وجہ سے حاصل ہوا، تو انھوں نے فرمایا:

«صِدْقُ الْحَدِيثِ، وَأَدَاءُ الْأَمَانَةِ، وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِينِي»

''سچ بولنے، امانت ادا کرنے اور غیر متعلقہ امور کے ترک کرنے کی وجہ سے۔''[1]

اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے اوقات کی قدر کرے اور ہر بے ہودہ، فضول، بے کار اور بے مقصد امر سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ اسی سے انسان کا اسلام مزین اور خوبصورت ہوتا ہے۔



[1] موطأ إمام مالك، الكلام، باب ماجاء في الصدق والكذب: 990/2



باب:۱۳۔ أخوّة الإيمان والإسلام

اسلامی بھائی چارہ

عَنْ أَبِي حَمْزَةَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَادِمِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ**»

رسول اللہ ﷺ کے خادم ابوحمزہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبیٔ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مکمل ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''[1]

لغوی تشریح: [خَادِمِ رَسُولِ اللّٰهِ] رسول اللہ ﷺ کے خادم۔ نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس برس تھی۔ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انھیں نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: آپ اسے اپنی خدمت کے لیے قبول فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے انھیں قبول فرمالیا۔ انھوں نے نبی ﷺ کی اس قدر خدمت کی کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان سے راضی اور خوش تھے [لَا يُؤْمِنُ] مکمل ایمان دار نہیں ہوسکتا [لِأَخِيهِ] اپنے مسلمان بھائی کے لیے [مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ] جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث: 13 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، حديث: 45

فوائد: قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کلمہ کی بنیاد پر آپس میں بھائی قرار دیا ہے۔ لہٰذا ایمان کا ایک بنیادی تقاضا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے انتہائی مخلص ہو اور اس کے حق میں ہمدردانہ جذبات رکھے۔ اگر کسی میں یہ وصف مفقود ہو تو اس کا ایمان نامکمل اور ناقص ہے۔

پیش نظر حدیث میں نبی ﷺ نے یہی چیز بیان فرمائی ہے کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے مختلف احادیث میں امت کو اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی ہدایات دیتے ہوئے منجملہ دیگر باتوں کے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی:

«وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُّسْلِمًا»

"تم جو کچھ اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو تو مسلمان ہو گے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

"جو پسند کرتا ہے کہ اسے جہنم سے چھٹکارا مل جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو پھر اسے اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر مکمل ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"[2]

اسی طرح نبی ﷺ نے یزید بن اسد سے فرمایا:

---

① جامع الترمذی، الزهد، باب من اتقى المحارم فهو أعبد الناس، حديث :2305

② صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة، حديث :1844



«أَتُحِبُّ الْجَنَّةَ؟»

''کیا تمھیں جنت پسند ہے۔''

انھوں نے کہا، جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

«فَأَحِبَّ لِأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ»

''جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرو۔''[1]

خود نبیٔ کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی یہی تھا کہ آپ اپنے لیے جو پسند فرماتے دوسروں کے لیے بھی وہی پسند فرماتے تھے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

''ابوذر! میں تمھیں کمزور پاتا ہوں اور جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں وہی تمھارے لیے پسند کرتا ہوں۔ تم کبھی دو آدمیوں پر امیر بننا نہ کبھی کسی یتیم کے مال کی نگرانی قبول کرنا۔''[2]

یہ حدیث اسلام کے نہایت اعلیٰ اصولوں میں سے ہے۔ اس پر عمل کیا جائے تو معاشرے سے ہر برائی ختم ہو سکتی ہے۔ آج کے معاشرے میں افراتفری اور ابتری کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آج ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو کرتا ہے لیکن دوسروں کو ان کے حقوق دینے کے لیے تیار نہیں۔ جو شخص چاہتا ہو کہ لوگ میری عزت کریں، اسے چاہیے کہ وہ بھی دوسروں کی عزت کرے۔ اگر یہ دوسروں کی عزت و توقیر کرے گا تو یقیناً دوسرے بھی اس کا احترام کریں گے۔ اس طرح جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اسے بھی چاہیے کہ وہ دوسروں کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کرتا رہے۔ خود پورا لینے کا مطالبہ اور دوسروں کو کم

① مسند أحمد: 70/4

② صحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، حديث: 1826

دینا، اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے جب اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی تو یہی اصول سمجھایا۔ اس کی برکت سے معاشرے میں ہر طرف امن ہی امن ہو گیا اور مسلمان اس حد تک ایک دوسرے کا خیال رکھنے لگے کہ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے مابین سلسلہ مؤاخات قائم کیا گیا تو انصار نے مہاجرین کو اپنی جائیداد اور مکانات وغیرہ میں بھی شریک کر لیا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ امت کے اسلاف دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے اور مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر اپنی ضرورت اور خواہش کو قربان کر دیتے تھے۔

روشن مثال

جنگ یرموک کا واقعہ ہے۔ ایک شخص پانی لے کر میدانِ جنگ میں پہنچا۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو زخمی حالت میں دیکھا، اسے پانی پلانے کے لیے آگے بڑھا تو دوسری طرف سے ''العطش'' (پیاس) کی آواز آئی۔ زخمی نے پیاسا ہونے کے باوجود پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے اسے پلاؤ، شاید اسے مجھ سے زیادہ پیاس لگی ہو۔ جب وہ دوسرے کے پاس پہنچا تو ایک اور زخمی نے پانی مانگا۔ دوسرے نے بھی اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ۔ وہ تیسرے زخمی کے پاس پہنچا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ وہ دوسرے کے پاس آیا تو وہ بھی جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ وہ دوڑ کر پہلے کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو چکا تھا۔ یہ تھا ان کا ایک دوسرے کے لیے ایثار کہ انھوں نے اپنی ضرورت بلکہ اپنی جان تک کی پروا نہ کی اور مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم سمجھا اور سب نے پیاسی حالت میں موت کو گلے لگا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا ایک وصف یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾



''وہ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کے لیے ایثار کرتے اور ان کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔''[1]

آج کے مسلمانوں میں اس جذبے کا فقدان ہے۔ اگر ہم صحیح طور پر مسلمان بن جائیں اور اس ایمانی تقاضے کو پورا کریں تو معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وصف کے اختیار کرنے کی توفیق سے نوازے۔ (آمین)



---

① الحشر 9:59

باب:۱٤۔ حرمة دم المسلم

خونِ مسلم کی حرمت اور جوازِ قتل کی تین صورتیں

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ:
«لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ، یَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنِّی رَسُولُ اللهِ، إِلَّا بِإِحْدٰی ثَلَاثٍ: اَلثَّیِّبُ الزَّانِی، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِینِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(مندرجہ ذیل) تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ① شادی شدہ زانی۔ ② جان کے بدلے جان (قاتل) ③ دین کا تارک، جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔''[1]

لغوی تشریح: [لَا یَحِلُّ] حلال نہیں، جائز نہیں [دَمُ امْرِیءٍ] کسی کا خون۔ اس حکم میں مذکر و مؤنث دونوں برابر ہیں۔ [بِإِحْدٰی ثَلَاثٍ] تین میں سے کسی ایک سبب سے، پس جو شخص تینوں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہوا سے قتل کرنا مسلمان حاکم کے لیے جائز ہے [اَلثَّیِّبُ الزَّانِی] شادی شدہ شخص جو زنا کا ارتکاب کرے، اسی طرح اگر شادی شدہ عورت زنا کا ارتکاب کرے تو اسے بھی رجم کیا جائے گا [وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ] جان کے بدلے جان،

[1] صحیح البخاری، الدیات، باب قول اللّٰه: النفس بالنفس، حدیث: 6878 و صحیح مسلم، القسامة، باب مایباح به دم المسلم، حدیث: 1676



یعنی قاتل کو (مقتول کے بدلے میں) قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ اس نے یہ قتل عمداً کیا ہو اور ایسی چیز سے کیا ہو جو عموماً مہلک ہوتی ہے مثلاً: چاقو، چھری، پستول وغیرہ اور وہ ایسی چیز نہ ہو جس سے عام طور پر قتل کا اندیشہ نہیں ہوتا، مثلاً: لاٹھی وغیرہ [التَّارِكُ لِدِيْنِهِ] دین کا تارک یعنی مرتد۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر ڈالو۔''[1]

یہاں دین سے ''اسلام'' مراد ہے۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔

فوائد: اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ لینے کے بعد مسلمان ہو جائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی امان و پناہ میں آ جاتا ہے۔ اس کا مال اور خون باقی مسلمانوں پر حرام ہو جاتا ہے۔ اسے قتل کرنا یا اس کا خون بہانا جائز نہیں۔ ہاں! البتہ اگر وہ حد سے تجاوز کرے تو اِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ کی رو سے بطور سزا اسے قتل کرنا جائز ہے۔

اس حدیث میں ان تین صورتوں کا ذکر ہے جن میں کسی مسلمان کا قتل جائز ہے:

الثیب الزانی

یعنی شادی شدہ آدمی زنا کا مرتکب ہو۔ زنا ایک بے حیائی اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسلام میں اس سے بڑی سختی سے روکا گیا ہے۔ اور اس کی بڑی سخت سزا تجویز کی گئی ہے تاکہ اس برائی کا خاتمہ ہو سکے۔ زنا کرنے والا مرد یا عورت غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِى فَٱجْلِدُوا۟ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِا۟ئَةَ جَلْدَةٍ﴾

---

[1] صحیح البخاری، استابۃ المرتدین......، باب حکم المرتد والمرتدۃ و استتابتھم، حدیث: 6922

''زنا کرنے والے مرد و عورت ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔''[2]

جمہور علماء کے نزدیک یہ سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے۔ زنا کرنے والا شادی شدہ ہو تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ اس کا حکم بھی قرآن مجید میں تھا لیکن اس آیت کی تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہے کیونکہ عہد رسالت میں اس پر عمل ہو چکا ہے۔ جمہور علماء رجم کے قائل ہیں البتہ منکرین حدیث رجم کا انکار کرتے ہیں اور اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

«لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ إِحْصَانِهِ»

''جن تین صورتوں میں قتل کی اجازت ہے ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے۔''[1]

قصاص

انسانی جان بیش قیمت چیز ہے جو شخص کسی کی جان بلا جواز ضائع کرے اسے معاف نہیں کیا جا سکتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾

''اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''[2]

جب کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کر دے تو مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دیا جائے، اگر

② النور 2:24

① سنن النسائی، تحریم الدم، (باب) الحکم فی المرتد، حدیث: 4062

② البقرۃ 179:2



مقتول کافر ہو تو مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی کو یہ علم ہو کہ کسی کو قتل کرنے کے بعد وہ بھی زندہ نہیں رہے گا تو وہ اس فعل شنیع کے ارتکاب کی جرأت نہیں کرے گا۔ مقتول کے ورثا از خود قصاص لینے کا حق نہیں رکھتے بلکہ یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ قانونِ قصاص کو نافذ کرے اور اسے عملی جامہ پہنائے۔ مقتول کے ورثا کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو خون بہا بھی لے سکتے ہیں۔ تاہم انھیں ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا اختیار دیا جائے گا کسی متعین صورت پر انھیں مجبور کرنے کی اجازت نہیں۔

ارتداد

اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کے جواز کی تیسری صورت ارتداد بیان ہوئی ہے۔ حدیث میں [التَّارِكُ لِدِينِهِ] کے الفاظ ہیں یعنی جو شخص دینِ اسلام سے منحرف ہو جائے وہ بھی واجب القتل ہے۔ احادیث میں وضاحت آئی ہے کہ پہلے تو مرتد کو سمجھایا جائے اور توبہ کے لیے آمادہ کیا جائے اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ وہ واجب القتل ہے۔ یہ سزا اس لیے رکھی گئی ہے کہ اس کے ارتداد سے دین اسلام کی تحقیر اور بدنامی ہو گی اور ضعیف الاعتقاد لوگوں پر اس کا برا اثر بھی پڑ سکتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون میں بغاوت کی سزا موت ہے چونکہ ارتداد کرنے والا بھی اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہے لہٰذا وہ واجب القتل ہے۔ یہ سزا [لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ] کے منافی نہیں، دراصل اس آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہر شخص کا اختیار ہے کہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن قبول اسلام کے بعد ارتداد ناقابلِ معافی جرم ہے۔ قتل کا جواز صرف ان تین صورتوں ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں قتل کرنے کی شرعاً اجازت ہے مثلاً جادوگر وغیرہ کو!

باب: ١٥-من خصال الإيمان (القول الحسن ورعاية حق الضيف والجار)

آدابِ معاشرت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو اور یوم آخرت کو مانتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔''[1]

لغوی تشریح: [مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ] ''جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو'' یعنی جس کا اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان ہو [وَالْيَوْمِ الآخِرِ] قیامت کا دن۔ کیونکہ وہ دن تمام دنوں کے بعد آخری دن ہوگا اسی لیے اسے آخری دن کہا جاتا ہے [اَوْ لِيَصْمُتْ] خاموش رہے [فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ] ''اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔'' اس کے ساتھ احسان کرے۔ اس کی تکلیف کو رفع کرے اور اس کی باتوں کو برداشت کرے [فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ] اپنے مہمان کی عزت کرے، خوش روئی کے ساتھ پیش آئے، اچھی باتیں کرے، کسی تکلف اور گھر والوں کو مشقت میں ڈالے بغیر

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الاخر فلا يؤذ جاره، حديث: 6018 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف ولزوم الصمت إلا عن الخير ....، حديث: 47



کھانا پیش کرے مہمان خواہ غریب ہو یا امیر۔

فوائد: اس حدیث مبارک میں نبی ﷺ نے آداب معاشرت میں سے تین اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱ اچھی بات یا خاموشی

آپ ﷺ نے پہلی بات یہ فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بات کرے تو اچھی کرے ورنہ خاموش رہے۔ انسان کی زبان جو بظاہر ایک چھوٹا سا عضو ہے، اس کا استعمال صحیح ہو تو انسان کو دنیا و آخرت کی سعادت مل جاتی ہے اور اگر اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ انسان کے لیے تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے ہر انسان کے ساتھ مقرر ہیں جو اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات تحریر کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾﴾

''انسان جو کچھ بولتا ہے اس کے لکھنے کے لیے ایک نگران تیار رہتا ہے۔''[1]

﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾﴾

''تمھارے اوپر معزز فرشتے مقرر ہیں جو تمھارے اقوال و اعمال تحریر کرتے ہیں۔''[2]

ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''معاذ! اسے قابو میں رکھنا۔'' انھوں نے پوچھا، کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں، اس کا بھی مؤاخذہ اور محاسبہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ''بہت سے لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں لے جانے والا عمل ان

---

① قٓ 18:50 ② الإنفطار 82:10-11

کی زبانوں کی کٹائی یعنی گفتگو ہوگی۔[1]

اس لیے زبان کی بہت حفاظت کرنی چاہیے۔ انسان جب بھی بات کرے، اچھی کرے ورنہ خاموشی بہتر ہے۔ کیونکہ جو زیادہ باتیں کرے گا اس کی غلطیاں اور گناہ بھی زیادہ ہی ہوں گے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

«مَنْ صَمَتَ نَجَا»

''جو خاموش رہا نجات پا گیا۔''[2]

بعض اوقات انسان کو اپنی کی ہوئی بات کا احساس نہیں ہوتا لیکن وہ اسے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص بات کرتا ہے اسے اپنی بات کی سنگینی کا احساس نہیں ہوتا اور وہ اسی بات کی وجہ سے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ جہنم کی گہرائی میں جا گرتا ہے۔''[3]

ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ، أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ»

''جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان والے عضو (زبان) اور اپنی دو ٹانگوں کے درمیان واقع عضو (شرمگاہ) کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''[4]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں لے جائے گی۔ آپ نے فرمایا: ''وہ دو چیزیں ہیں، خوفِ الٰہی اور حسن اخلاق۔'' پھر آپ سے پوچھا گیا کہ

---

① جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، حدیث: 2616

② جامع الترمذی، صفة القیامة، باب: من کان یومن باللہ ......، حدیث: 2501

③ صحیح مسلم، الزهد، باب حفظ اللسان، حدیث: 2988

④ صحیح البخاری، الرقاق، باب حفظ اللسان، حدیث: 6474



سب سے زیادہ کون سی چیز لوگوں کو جہنم میں لے جائے گی۔ تو فرمایا: ''وہ دو چیزیں ہیں، زبان اور شرمگاہ۔''[1]

ان کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں زبان کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے۔ اسی لیے اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بات کرے تو اچھی کرے ورنہ خاموش رہے۔''[2]

۱۱ پڑوسی کی عزت

پڑوسی کے بھی انسان کے ذمے بہت سے حقوق ہیں۔ مسلمان کو چاہیے کہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور انھیں کسی قسم کی ایذا یا تکلیف نہ دے۔ ہمسایہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار، قرآن کریم میں دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اگر ہمسایہ غیر مسلم اور کافر بھی ہو تو وہ بھی ہمسائیگی کی بنا پر حسن سلوک اور تعاون کا حقدار ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

''جبریل امین مجھے ہمسائے کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے خیال ہوا، شاید ہمسائے کو وراثت کا بھی حقدار قرار دے دیا جائے گا۔''[3]

ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق حدیث: 2004 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر الذنوب، حدیث: 4246

[2] صحیح البخاری، الأدب، باب إكرام الضيف و خدمته إياه بنفسه ......، حدیث: 613

[3] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث: 1942

''اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ ایمان دار نہیں۔'' آپ نے بار بار یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کون ایمان دار نہیں۔ آپ نے فرمایا:

«اَلَّذِی لَا یأْمَنُ جَارُہٗ بَوائِقَہٗ»

''جس کی تکلیفوں اور ایذا سے ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔''[1]

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس کی تکلیفوں اور دکھوں سے ہمسایہ مامون نہ ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''[2]

- آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنا چاہیے۔''[3]
- آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے حق میں اچھا ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسائیوں کے حق میں اچھا ہو۔''[4]
- ایک عورت بڑی عبادت گزار تھی دن کو روزے رکھتی اور رات کو تہجد ادا کرتی تھی، مگر پڑوسیوں کے حق میں اچھی نہ تھی۔ وہ انھیں ایذا دیا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: ''وہ جہنم میں جائے گی۔''[5]
- بعض سلف سے منقول ہے کہ ہمسائیگی کا دائرہ چالیس گھروں تک ہے۔ (جیسا کہ بعض

---

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب إثم من لا یأمن جارہ بوائقہ، حدیث: 6016

[2] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تحریم إیذاء الجار، حدیث: 46

[3] صحیح مسلم، الإیمان، باب الحث علی إکرام ......، حدیث: 47

[4] جامع الترمذی، البر و الصلۃ، باب ما جاء فی حق الجوار، حدیث: 1944

[5] مسند أحمد: 440/2 و شعب الإیمان: 78/7 و مشکوۃ، الآداب، باب الشفقۃ و الرحمۃ علی الخلق، الفصل الثالث



ضعیف روایات میں ہے۔) مزید دیکھیے: (جامع العلوم والحکم لابن رجب، حدیث: 15)

ایک دفعہ آپ نے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے شرک، اس کے بعد روزی کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا اور اس کے بعد ہمسایہ کی بیوی سے زنا کا ذکر فرمایا، حالانکہ زنا جس سے بھی کیا جائے گناہ ہے لیکن ہمسائے کی بیوی سے زنا کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: ''جب سالن پکاؤ تو پانی ڈال کر شوربا بڑھا لیا کرو اور ہمسایوں کے گھر بھی بھیجو۔''[1]

چونکہ مسلمان کے ذمے ہمسایوں کے بہت سے حقوق ہیں، اسی لیے نبی ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ جارَهُ»

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسائے کا احترام کرے۔''[2]

مہمان کی عزت افزائی

نبی ﷺ نے اس حدیث میں آداب واحکام معاشرت میں سے تیسری اہم بات یہ بیان فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ مہمانوں کی عزت کرے ان کی ممکن حد تک خاطر مدارات کرے۔ مہمانوں کی عزت وتکریم بھی اخلاق حسنہ میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کبھی اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کوئی مہمان آ جاتا تو بہتر ورنہ کسی کو بلا کر لے آتے اور اکٹھے کھانا تناول فرماتے۔ مہمان کے

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: 2625

[2] صحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار......، حديث: 47

آنے پر ناگواری محسوس کرنا اسلام اور اخلاق کے منافی ہے۔ ہر کوئی اپنی قسمت کا کھاتا ہے۔ اس لیے مہمان کی آمد پر تنگ دل ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے اور حتی المقدور اس کی خوب خدمت کرنی چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے ہمارے ساتھ بطورِ میزبان اچھا سلوک نہ کیا ہو اور وہ کبھی مہمان بن کر آئے تو اس کی خاطر مدارات میں بھی کمی نہیں کرنی چاہیے۔ نبی ﷺ سے کسی شخص نے پوچھا کہ اگر میں کسی کے ہاں مہمان ٹھہروں اور وہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے، بعد میں کسی وقت وہ میرا مہمان بنے تو میں کیا کروں، اس سے بدلہ لوں یا مہمان نوازی کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے وہ اپنے مہمان کی تکریم بجالائے۔'' عرض کیا گیا، حضور کب تک؟ آپ نے فرمایا: ''پر تکلف کھانا ایک دن رات اور ضیافت صرف تین دن تک ہے، اس کے بعد کی خدمت اور تواضع صدقہ ہے۔''[1]

چلتے وقت بھی اس کو اتنا خرچ دینا چاہیے کہ ایک منزل تک کافی ہو جائے اس کو ''جائزۃ'' کہتے ہیں۔'' چونکہ مہمان کا میزبان کے ذمے حق ہوتا ہے اس لیے نبی ﷺ نے ان احادیث میں میزبان کو مہمان کے اکرام، خاطر مدارات اور خدمت کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ لیکن جہاں میزبان ان احکام کا پابند اور مکلف ہے، وہاں مہمان بننے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ جب کوئی شخص مہمان ٹھہرے تو اسے اپنے میزبان کے لیے بلائے ناگہانی نہیں بننا چاہیے اور ایسا انداز بھی اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے میزبان کو تکلیف، بوجھ یا شرمندگی ہو۔ بالعموم ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق مہمان کی خدمت بجالاتا ہے اور اس میں کمی نہیں چھوڑتا لیکن کئی مہمان کسی ایسی چیز کا مطالبہ کر دیتے ہیں جس کا مہیا کرنا میزبان کے لیے ممکن یا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ نیز میزبان کے ہاں مہمان کو بلاوجہ طویل عرصہ تک قیام بھی نہیں کرنا چاہیے۔ ایک

---

[1] صحیح مسلم، اللقطة، باب الضيافة و نحوها، حديث: 48 نهاية فى غريب الحديث، 314/1



حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ”مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے ہاں طویل قیام کر کے میزبان کو گناہ گار کرے۔“①

مہمان کو چاہیے کہ وہ ایک ایسا مہمان ثابت ہو کہ میزبان اس کی دوبارہ آمد پر بھی اسے اپنا مہمان بنانے میں فرحت محسوس کرے۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تنگدستی اور بھوک کا ذکر کیا۔ آپ نے اپنے گھروں میں باری باری پیغام بھیج کر کھانے کی کوئی چیز منگوائی مگر آپ کے کسی بھی گھر سے کھانا نہ مل سکا بلکہ جواب آیا کہ آج تو گھر میں سوائے پانی کے کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو آج رات اس کی میزبانی کرے۔ ابوطلحہ اسے اپنے گھر لے گئے۔ بیوی سے کہا: کھانے کو کچھ ہے۔ اس نے بتایا کہ بچوں کے لیے معمولی سا کھانا ہے۔ فرمایا، انھیں بہلا پھسلا کر سلا دو۔ جب مہمان آئے تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا اور ہم یوں محسوس کرائیں گے کہ گویا ہم بھی کھا رہے ہیں۔ ہم کھانا نہیں کھائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھائے، چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: تمھارے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا ہے۔ اسی واقعہ کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

”اور وہ اپنی ضروریات کے باوجود دوسروں کے لیے ایثار کرتے ہیں اور ان کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔“②



① صحیح مسلم، اللقطة، باب الضيافة و نحوها، حديث : 48 قبل : 1727

② الحشر : 9/59، صحیح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث : 2054

باب:١٦ـ لا تغضب ولك الجنة

غصہ سے ممانعت

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ: أَوْصِنِی، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ» فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ»

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: آپ مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ”غصہ نہ کیا کرو، اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو آپ نے بھی ہر بار یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کرو۔“[1]

فوائد: اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس میں انسانی طبائع اور امزجہ (مزاج) کو مدنظر رکھ کر احکامات اور ہدایات دی گئی ہیں۔ غصہ آ جانا انسانی فطرت ہے۔ بالعموم غصے کے کچھ اسباب بھی ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کو بلاوجہ بھی غصہ آ جاتا ہے۔ غصہ اختلاف و ناراضی کا سبب ہوتا ہے اور بعض اوقات نوبت قتل تک جا پہنچتی ہے۔ اسی لیے دانا کہتے ہیں کہ غصہ حرام ہے۔ انسان کو جب غصہ آ جائے تو اسے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی اللہ والوں کی صفت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَٱلْكَٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِ﴾

”وہ (اللہ تعالیٰ کے صالح بندے) غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔“[2]

---

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث: 6116

[2] آل عمران 3:134



جب کسی پر غصہ آئے تو درگزر سے کام لینا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَإِذَا مَا غَضِبُواْ هُمْ يَغْفِرُونَ ۝٣٧ ﴾

"اور جب ان (اللہ والوں) کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔"[1]

﴿ وَلْيَعْفُواْ وَلْيَصْفَحُوٓاْ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾

"اور انھیں چاہیے کہ وہ معافی اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کر دے۔"[2]

غصہ دراصل ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی روح انتقام کی خاطر باہر کی طرف حرکت کرتی ہے اس لیے غصہ کی حالت میں چہرہ گرم اور رنگ سرخ ہو جاتا ہے، رگیں پھول جاتی ہیں۔ اسی طرح شدت فرحت و انبساط میں بھی انسانی روح باہر کی جانب متحرک ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں حالتوں میں روح کے بالکل باہر آ جانے کی بنا پر موت کا خطرہ ہوتا ہے۔ غصہ اگر غیرت اسلامی اور تائید حق کے لیے ہو تو وہ ممدوح اور قابل تعریف ہے اور اگر خلاف شرع ہو تو یہ بہرحال مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ غصہ پر قابو پا لینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے غصہ پر قابو پانے والے کی مدح فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»

"جواں مرد اور بہادر وہ نہیں جو (دوسروں کو) پچھاڑنے والا ہو بلکہ حقیقی بہادر اور جواں مرد وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔"[3]

---

① الشوریٰ 42:37 ② النور 24:22

③ صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث: 6114

بچاؤ کا طریقۂ کار

نبی ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی کو کسی دوسرے پر غصہ آ گیا اور غصہ کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا، لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ»

''میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ آدمی وہ کلمہ پڑھے تو غصہ کافور ہو جائے۔''[1] وہ کلمہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ، وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ»

''جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، اگر غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔''[2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْفِذَهُ، دَعَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَى رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتَّى يُخَيِّرَهُ اللّٰهُ مِنَ الْحُورِ مَا شَاءَ»

''جو شخص بدلہ لینے کی طاقت و قدرت کے باوجود اپنا غصہ ضبط کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب کے سامنے بلا کر یہ اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے اپنے لیے پسند کر لے۔''[3]

---

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث: 6115

[2] سنن أبی داود، الأدب، باب ما یقال عند الغضب، حدیث: 4782

[3] سنن أبی داود، الأدب، باب من کظم غیظا، حدیث: 4777، سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحلم، حدیث: 4186 و الحدیث حسن۔



نبی ﷺ کی حیات طیبہ عفو و درگزر کا بہترین مرقع تھی آپ نے اپنے بدترین اور شدید ترین دشمنوں کو معاف فرما دیا۔ کفار مکہ کے ظلم و ستم سے دنیا واقف ہے جو انھوں نے صحابۂ کرام اور خود نبی ﷺ پر روا رکھے۔ مگر جب آپ فاتح کی حیثیت سے مکہ آئے اور وہ لوگ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انھیں کوئی بات یاد تک نہ کرائی اور بڑی فراخدلی سے فرمایا:

«لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمِ، اذْهَبُوا أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

''آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''[1]

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ جُرْعَةٍ أَعْظَمُ أَجرًا عِنْدَ اللهِ، مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ، كَظَمَهَا عَبْدٌ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ»

''انسان جو کچھ پیتا ہے اس میں بہترین گھونٹ غصے کا گھونٹ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پیے۔''[2]

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں غصہ کی بہت زیادہ مذمت اور ممانعت آئی ہے اور غصہ پی جانے اور معاف کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت ہے۔ اسی لیے پیش نظر حدیث میں نبی ﷺ کی خدمت میں آنے والے نے عرض کیا، مجھے وصیت فرمائیں تو آپ نے یہی فرمایا:

«لَا تَغْضَبْ»

''غصہ نہ کیا کر۔''[3]

صحابی نے اپنا سوال اس خیال سے متعدد مرتبہ دہرایا کہ شاید آپ کچھ اور ارشاد فرمائیں

---

① السنن الكبرى للبيهقي : 118/9 سيرت ابن هشام : 61/4

② سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحلم، حديث : 4189

③ صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث : 6116

گے لیکن آپ نے اسے بار بار یہی وصیت فرمائی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ نازک طبع ہوں اور انھیں غصہ زیادہ آتا ہو اس لیے آپ نے انھیں اسی بات کی وصیت فرما کر اس خامی کی طرف توجہ دلائی ہو۔ واللہ اعلم.



باب: ۱۷ ـ عموم الإحسان

اسلامی طرزِ زندگی میں احسان کی وسعت

عَنْ أَبِي يَعْلٰى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»

سیدنا ابویعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو ذبح بھی اچھے طریقے سے کرو۔ تمھیں چاہیے کہ اپنی چھری اچھی طرح تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔''[1]

لغوی تشریح: [كَتَبَ] واجب اور فرض کر دیا [الْإِحْسَان] یہ احسن کا مصدر ہے۔ کوئی اچھا کام کرنے کو احسان کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ اچھا کام وہی ہے جسے شریعت اچھا قرار دے۔ خلاف شرع رائے کو اچھا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [الْقِتْلَة] قاف کے نیچے زیر۔ قتل کرنے کی حالت و کیفیت، قتل کرتے ہوئے احسان یعنی قتل کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ آلہ قتل تیز ہو اور جلدی سے قتل کر دیا جائے اور مقتول کو سزا دینا مقصود نہ ہو۔ [شَفْرَتَهُ] بڑی چھری، چھری کی دھار [وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ] یہ ''أراح'' سے مشتق ہے یعنی ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔

---

[1] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل، وتحديد الشفرة، حديث: 1955

فوائد: اس حدیث مبارک میں نبی ﷺ نے ایک ابدی اصول بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔

احسان

اس کے معنی ہیں نیکی، حسنِ سلوک، نرمی، کسی کام کو سلیقہ اور مہارت سے انجام دینا، کسی کام کو انجام دیتے وقت اس میں خوبی، حسن اور عمدگی پیدا کرنا، حقدار کو اس کے حق سے زیادہ دینا، یہ سب احسان کا مفہوم اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

احسان کی اہمیت

اسلام میں احسان کی بڑی اہمیت ہے قرآن کریم اور احادیث میں بارہا اس کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔''[1]

﴿وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ﴾

''تو بھی احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا۔''[2]

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾﴾

''اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[3]

﴿هَلْ جَزَآءُ ٱلْإِحْسَٰنِ إِلَّا ٱلْإِحْسَٰنُ ﴿٦٠﴾﴾

''احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔''[4]

---

(1) النحل 90:16 (2) القصص 77:28 (3) البقرة 195:2 (4) الرحمن 60:55



احسان فی القتل

احسان کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ احسان یعنی حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر شرعی اصولوں کے تحت کسی کو قتل کرنا ہو تو اچھی طرح قتل کرو۔ یعنی قتل کا آسان ترین طریقہ اختیار کیا جائے تاکہ مقتول کو کم سے کم تکلیف ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ البتہ ڈاکہ زنی کے مجرم کو سولی کی سزا اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم چونکہ شریعت نے دیا ہے، اس لیے وہ جائز ہے۔ بعض لوگ قتل کرتے وقت ایک ایک عضو کاٹتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچے۔ اسلام کسی کو ناروا اور غیر ضروری تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ حتی کہ جان لینے کی صورت میں بھی وہ کم از کم تکلیف دینے کی تلقین کرتا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ کفارِ قریش میں سے جو پکڑا جائے اسے آگ میں جلا دیا جائے، پھر آپ نے فرمایا: ''صرف قتل کیا جائے۔ آگ سے جلایا نہ جائے کیونکہ آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔''[1]

احسان بالذبیحہ

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ذبح کرو تو ذبح بھی سلیقے اور عمدگی سے کرو، تمھیں چاہیے کہ چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔

ذبیحہ کو مندرجہ ذیل طریقوں سے راحت پہنچائی جا سکتی ہے۔

ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلایا جائے۔ چھری کو جانور سے چھپا کر رکھا جائے۔ اسے نرم زمین پر لٹایا جائے۔ چھری پہلے سے خوب اچھی طرح تیز کر لی جائے اور جلدی جلدی چلائی جائے۔ تمام رگیں مکمل کاٹی جائیں تاکہ روح نکلنے میں دیر نہ ہو۔ جانور کے اچھی طرح ٹھنڈا ہو

[1] صحیح البخاري، الجهاد، باب لا يعذب بعذاب الله، حديث: 3016

جانے کے بعد کھال اتاری جائے۔ کسی دوسرے جانور کے سامنے جانور کو ذبح نہ کیا جائے۔

ایک دفعہ نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص ذبح کرنے کی خاطر بکری کو زمین پر لٹا کر اس کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تم اس جانور کو ذبح سے قبل ہی بار بار مارنا چاہتے ہو۔''[1]



[1] المعجم الكبير للطبراني: حديث: 332/11، حديث 11916 والمعجم الأوسط للطبراني: 379/2 ومجمع الزوائد: 42/4

باب:١٨ ـ تقوى اللّٰه تعالىٰ وحُسنُ الخُلقُ

تقوٰی اور حسن اخلاق

عَنْ أَبِي ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَأَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ مُعاذِ بْنِ جبلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ قال: «**اتَّقِ اللهَ حيْثما كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُها، وَخالِقِ النّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ**»

سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ اور ابوعبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھا کرو؛ اور گناہ کے بعد نیکی کرلیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔''[1]

لغوی تشریح: [اتَّقِ اللّٰهَ] اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کر۔ یعنی اپنے اور اللہ تعالیٰ کی سزا و عقاب کے درمیان رکاوٹ پیدا کر۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کیا جائے، یعنی اس کی حدود کی پابندی کی جائے۔ [حيْثُ ما كُنْتَ] تم جہاں کہیں بھی ہو۔ [وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا] ''گناہ کے بعد نیکی کرلیا کرو، نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔'' یعنی جب تجھ سے کوئی صغیرہ گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کرلیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو زائل کردے گی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے ﴿إِنَّ الحَسَناتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ ''بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر ڈالتی ہیں۔'' (هود 11: 14) اس

[1] جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في معاشرة الناس، حديث: 1987

حدیث میں گناہ سے ''صغیرہ گناہ'' مراد ہیں کیونکہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے ؛ وَ خالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ''لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کر۔'' اس کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً خوش روئی سے ملنا، ان کی تکلیف کو دور کرنا، ان سے بھلائی کرنا، ان سے اچھا برتاؤ کرنا اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا سہنا وغیرہ۔

فوائد: نبی ﷺ نے حضرت ابوذر جندب بن جنادہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما دونوں کو تین نصیحتیں فرمائیں:

تقویٰ

آپ نے انھیں پہلی وصیت یہ فرمائی:

«اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا كُنْتَ»

''تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو۔''

تقویٰ بڑا جامع لفظ ہے اس میں نیکی کا شوق اور اعمال قبیحہ سے نفرت و اجتناب تک شامل ہے۔ یہ وصف ایک محتاط زندگی اختیار کرنے کا متقاضی ہے۔ صاحب تقویٰ شخص انتہائی پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور ایسا کوئی کام نہیں کرتا جس میں حرمت یا کراہت کا کوئی شائبہ بھی ہو۔ قرآن کریم میں بار ہا تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے۔''[1]

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَقُولُوا۟ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾﴾

---

[1] آل عمران 102:3

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کیا کرو۔''[1]

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٞ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٖۖ﴾

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ وہ کل قیامت کے لیے کیا بھیج رہا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کے ہاں معیارِ تکریم، تقویٰ ہے جو شخص جس قدر اس وصف سے متصف ہوگا اس کا اتنا ہی اونچا مقام ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكۡرَمَكُمۡ عِندَ ٱللَّهِ أَتۡقَىٰكُمۡۚ﴾

''تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔''[3]

اللہ تعالیٰ کے تقویٰ، ڈر اور خوف کا مفہوم یہ ہے کہ انسان انتہائی محتاط زندگی بسر کرے، تقویٰ، حد درجہ احتیاط کو کہتے ہیں جیسے کوئی شخص خاردار جھاڑیوں کے درمیان انتہائی تنگ راستے پر بڑی احتیاط سے چلتا ہے تاکہ اس کا دامن کانٹوں میں نہ الجھ جائے یا کوئی کانٹا اسے زخمی نہ کر دے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں بٹھا لے، اللہ تعالیٰ اسے حکمت و دانائی سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ معروف مقولہ ہے:

«رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ»

''اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کی اساس ہے۔''

تقویٰ کی اسی اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى، وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى»

''یا اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔''[4]

---

(1) الأحزاب 70:33 (2) الحشر 18:59 (3) الحجرات 13:49

(4) صحیح مسلم، الذکر، باب فی الأدعیة، حدیث: 2721

اسی لیے ہر امت کو تقوی کی تلقین کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ﴾

''جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی انھیں اور تمھیں ہم نے تقویٰ کی تلقین کی۔''[1]

توبہ

ان دونوں ساتھیوں کو آپ نے دوسری وصیت یہ فرمائی:

«أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ، تَمْحُهَا»

''گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔''

واقعی نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی اور مٹا ڈالتی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾

''بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا ڈالتی ہیں۔''[2]

انسان خطا کا پتلا ہے اس سے غلطی کا سرزد ہو جانا بعید نہیں۔ لیکن چاہیے کہ انسان غلطی پر دوام و ثبات کے بجائے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ و استغفار کرے، اللہ تعالیٰ اس کی غلطی معاف فرما دے گا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾﴾

''جس آدمی سے غلطی ہو جائے یا وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے، اگر وہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔''[3]

---

[1] النساء 4:131 [2] هود 11:114 [3] النساء 4:110



یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انسان پر فضل اور رحم ہے کہ اگر انسان غلطی کرے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور جب انسان کوئی نیکی کا کام کرے تو اسے کم از کم دس گنا ثواب ملتا ہے۔ اسی لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«هَلَكَ مَنْ غَلَبَ آحَادُهُ عَشَرَاتِهِ»

''جس کی اکائیاں، دہائیوں سے بڑھ جائیں اس کے لیے تباہی و ہلاکت ہے۔''[1]

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ اگر کسی وقت گناہ سرزد ہو بھی جائے تو اس کے بعد نیکی کرلیا کرو۔ اس نیکی کی وجہ سے برائی مٹ جائے گی۔ اگر انسان ہر گناہ کے بعد صرف ایک نیکی ہی کرے تو بھی نیکیاں گناہ سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»

''ہر انسان خطا کا پتلا ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو توبہ کرلیں۔''[2]

جو شخص صدق دل سے توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت و شرمساری کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی غلطی معاف کر دیتا ہے اور وہ یوں پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ انسانوں سے گناہوں کا سرزد ہونا فطری امر ہے، البتہ گناہوں پر اصرار و دوام غلط ہے۔ انسان سے گناہ ہو جائے تو توبہ کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ اسی لیے متقیوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا﴾

''وہ اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔''[3]

---

(1) تفسیر ابن کثیر، سورۃ الأعراف، آیت: 47

(2) سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، حديث: 4251

(3) آل عمران 135:3

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمھیں ختم کر کے تمھاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں گے اور اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر دے گا۔''[1]

انسان جب صدق دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر بے حد خوش ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے یہ بات ایک واضح مثال دے کر بیان فرمائی:

''تمھارا کیا خیال ہے، کوئی شخص ویران اور بے آب و گیاہ جنگل میں سفر کر رہا ہو جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو، اس کا زادِ راہ اونٹنی پر ہو۔ اس جنگل میں دوپہر کے وقت آرام کے وقفہ میں جب یہ سویا ہوا ہو، اس کی اونٹنی گم ہو جائے۔ وہ اونٹنی کو تلاش کرنے کی مکمل سعی کرے، اسے اونٹنی نہ مل سکے۔ وہ ناامید ہو کر اپنی جگہ واپس آ کر بیٹھ جائے اور اچانک اس کی اونٹنی خود بخود واپس آ جائے، کیا تم اس کی خوشی کا اندازہ کر سکتے ہو۔ جس قدر خوشی اس ناامید شخص کو اونٹنی کو حاصل کر لینے اور اپنے بچ جانے پر ہوتی ہے، انسان کے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔''[2]

توبہ کی قبولیت کی شرائط

جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرے تو اللہ کریم توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَهُوَ ٱلَّذِى يَقْبَلُ ٱلتَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَعْفُوا۟ عَنِ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾

''وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور خطاؤں سے درگزر

---

[1] صحیح مسلم، التوبة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار والتوبة، حدیث: 2749

[2] صحیح مسلم، التوبة، باب فی الحض علی التوبة، حدیث: 2744



فرماتا ہے۔''[1]

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں رقم طراز ہیں: ''توبہ کا معنی رجوع اور واپسی ہے۔ لہٰذا توبہ سے مراد گناہوں سے رجوع ہے۔ اس کی تین شرطیں ہیں: ① گناہ کو ترک کرنا۔ ② اس پر ندامت کا اظہار کرنا۔ ③ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔ اور اگر معصیت کا تعلق انسانوں کے ساتھ ہو تو چوتھی شرط یہ بھی ہے کہ صاحب حق کو راضی کر لیا جائے۔''[2]

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو، امید ہے کہ تمھارا رب تمھارے گناہ معاف کر دے۔''[3]

حسنِ اخلاق

نبی ﷺ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو تیسری وصیت یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آیا کرو۔ حسن اخلاق مسلمان کا بہترین وصف ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام اعلیٰ اخلاق کا عمدہ نمونہ تھے۔ نبی ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ سے ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾﴾

''بے شک آپ اخلاق کی اعلیٰ قدروں پر فائز ہیں۔''[4]

---

① الشوریٰ 25:42

② شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب التوبة

③ التحریم 8:66 ④ القلم 4:68

تقویٰ اور حسن اخلاق

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّما بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاقِ»

''مجھے مکارم (اعلیٰ) اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[1]

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اچھے اخلاق والے کو کامل مومن قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا ، أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

''اہل ایمان میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے عمدہ ہوں۔''[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ»

''بے شک ایک مومن اپنے عمدہ اخلاق کی بدولت روزہ دار اور تہجد گزار کا درجہ پالیتا ہے۔''[3]

قیامت کے روز میزان میں سب سے وزنی عمل، اعلیٰ اخلاق ہوگا۔ آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ»

''بندے کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔''[4]

---

① موطأ إمام مالك، حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق، ومسند أحمد من رواية أبی هريرة وإسناده حسن، وانظر صحيح الجامع الصغير، حديث :2833

② سنن أبی داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، حديث : 4682 وجامع الترمذی، الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة على زوجها، حديث : 1162

③ سنن أبی داود، السنة، باب فی حسن الخلق، حديث :4798

④ سنن أبی داود، السنة، باب فی حسن الخلق، حديث :4799 وجامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، حديث :2003



حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَى اللهِ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالُوا: بَلَى، قَالَ: أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا»

''کیا میں تمھیں ایسا شخص نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ قیامت کو میرے سب سے زیادہ قریب ہوگا'' صحابہ نے کہا: ضرور بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ''جس کا اخلاق سب سے عمدہ ہو۔''[1]

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ انتہائی اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اس کے باوجود یہ دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِي، فَحَسِّنْ خُلُقِي»

''یا اللہ! تو نے جیسے میری صورت خوبصورت بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی عمدہ بنا دے۔''[2]

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»

''نیکی عمدہ اخلاق کا نام ہے۔''[3]



---

① صحيح ابن حبان، حديث: 485

② مسند أحمد: 403/1 و صحيح ابن حبان، حديث: 959 والإرواء: 113/1

③ صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، حديث: 2553

باب:۱۹۔ عون اللّٰہ تعالیٰ و حفظه و نصره و تأييده

اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید

عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ: «**يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ، احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ**» رواه الترمذي وقال: حديث حسن صحيح، وفي رواية غير الترمذي «**احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا**»

سیدنا ابوالعباس، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا تو آپ نے فرمایا: ”اے لڑکے! میں تجھے چند (مفید) باتیں بتاتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر (اس کے احکام کی پابندی کر) وہ تیری حفاظت



کرے گا۔تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر، تو اسے اپنے سامنے پائے گا، جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کر۔ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ۔ یاد رکھ ساری دنیا جمع ہوکر بھی تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ تجھے کسی بات کا فائدہ اور نفع نہیں دے سکتی، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اگر سارے لوگ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے سوائے اس نقصان کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہو۔قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔'' (ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے) ترمذی کے علاوہ دوسرے محدثین کی روایت میں یوں ہے ''تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔تو خوش حالی میں اس کی طرف رجوع کر، وہ تنگ دستی کے وقت تیری مدد فرمائے گا۔ یاد رکھ! جو چیز تمھیں نہیں ملی وہ تمھیں مل ہی نہیں سکتی تھی اور جو کچھ تجھے مل گیا اس سے تو محروم نہیں رہ سکتا تھا۔ یاد رکھ! اللہ تعالیٰ کی مدد صبر سے وابستہ ہے۔اور تکالیف ومصائب کے بعد کشادگی اور فراخی آتی ہے۔اور تنگی کے بعد آسانی بھی ہوتی ہے۔''①

لغوی تشریح: [كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمًا] میں ایک روز نبی ﷺ کے پیچھے تھا[يَا غُلَامُ] عربوں کے ہاں دودھ چھڑانے کی عمر سے 9 برس تک کی عمر کے بچے کو ''غلام'' کہتے ہیں۔ان کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی۔ [كَلِمَاتٍ] یعنی نصائح۔ یہ جمع قلت کا وزن ہے کیونکہ ان کلمات کو حفظ کرنا نہایت آسان ہے اس لفظ کے آخر میں ''تنوین'' ان کلمات کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔[اِحْفَظِ اللّٰهَ] اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر

① جامع الترمذی، صفة القيامة، باب 59، حديث: 2516 المعجم الكبير للطبراني: 123/11، حديث: 11243

یعنی اس کے عائد کردہ فرائض اور حدود کی پابندی کر اور ہمیشہ اس کا تقوی اختیار کیے رکھ، اس کے منع کردہ اور ناپسندیدہ کاموں سے اجتناب کر۔ [یَحْفَظْكَ] وہ تیری جان، مال، اہل و عیال اور تیرے دین و دنیا کی حفاظت کرے گا۔ [تُجَاهَكَ] ''اپنے سامنے'' یعنی تو جہاں بھی ہوگا حفاظت، امانت اور تائید میں تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ [فَاسْئَلِ اللّٰهَ] اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [1] [فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ] اکیلے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو کیونکہ تمھاری دعاؤں کی قبولیت اور تمھاری اعانت کا اختیار اسی کو ہے کسی دوسرے کو نہیں۔ [رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ] قلم اٹھائے جا چکے ہیں کیونکہ یہ تمام امور حیطۂ تحریر میں آ چکے ہیں۔ [جَفَّتِ الصُّحُفُ] یہ تمام امور پہلے تحریر ہو چکے اور عرصہ ہوا اس تحریر کی روشنائی بھی خشک ہو چکی۔ [صُحُفُ] سے مراد لوحِ محفوظ وغیرہ، وہ صحیفے ہیں جن میں کائنات کی تقدیریں درج ہیں۔ [الرَّخَاءِ] نعمت و خوشحالی اور فراوانی [إِنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ] فرج سے مراد غم سے نجات ہے اور غم سے دل کی تنگی مراد ہے۔

فوائد: اس حدیث میں نبی ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی ابو العباس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں فرمائی ہیں بظاہر اس حدیث کے مخاطب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں لیکن فی الحقیقت آپ نے ان کی وساطت سے یہ تمام مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں۔ یہ ہدایات اور نصائح بڑی جامع ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں ایک مسلمان کا ایمان تکمیل پذیر ہوتا ہے، دنیا سنور جاتی ہے، وہ دنیا کی پروا نہیں کرتا اور اپنا حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اور اسے دنیا کے کسی بھی شخص کا ڈر نہیں رہتا وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور امان میں آ جاتا ہے۔

پہلی نصیحت

اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت: آپ نے نصیحتوں سے قبل انھیں اپنی جانب اچھی طرح متوجہ

---

1. النساء 32:4



کرنے کے لیے فرمایا: لڑکے! میں تمھیں چند باتیں سکھانے لگا ہوں۔ آپ کا مقصود یہ تھا کہ یہ اہم باتیں ہیں انھیں غور سے سن کر یاد رکھنا۔ اسے پوری طرح متوجہ کر آپ نے فرمایا:

«اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ»

''تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت کرو یعنی اس کے احکام کی اطاعت کرتے رہو، تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔''

یعنی تم جب تک اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو گے اللہ تعالیٰ تمھاری حفاظت کرے گا اور اس کی رحمت و برکت ہر وقت شامل حال ہو گی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند اور اس کا فرمانبردار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی نگہبانی اور حفاظت فرماتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے اس کی روزی کا انتظام کرتا ہے کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا (٢) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی سبیل نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی فراہم کرتا ہے جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔''[1]

اس سلسلے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ہمیں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ سفر کرتے ہوئے جنگل میں جا رہے تھے کہ اچانک ایک خونخوار شیر آ پہنچا، حملہ کرنے لگا تو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے شیر! یاد رکھ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی اور خادم ہوں کیا تو مجھے کھائے گا۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ شیر حملہ سے رک گیا، گردن جھکا کر ان کے پاؤں چاٹنے لگا اور اس نے ان کی نگرانی کی تا کہ کوئی دوسرا جانور انھیں پریشان

[1] الطلاق 65:2-3

نہ کرے۔ اسی طرح مسلمانوں کے ایک لشکر کو رات جنگل میں ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے زور سے اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی آج رات اس جنگل میں قیام کریں گے لہٰذا تمام جانور جنگل خالی کر دیں۔ ان کا اعلان سنتے ہی تمام جانور اپنے اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے باہر چلے گئے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں تین سو آدمیوں کا ایک لشکر کفار پر نظر رکھنے کے لیے ساحل سمندر کی طرف بھیجا اور صرف ایک تھیلی کھجوروں کی ان کے سپرد کی۔ کیونکہ انھیں دینے کے لیے اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ روزانہ صرف ایک ایک کھجور دیتے۔ کسی نے پوچھا آپ ایک کھجور سے کیا کرتے تھے۔ فرمایا: ہم اسی ایک کھجور سے سارا دن گزارا کرتے، کھجور کھا کر پانی پی لیتے اور سارا دن کھجور کی گٹھلی کو بچوں کی طرح چوستے رہتے اور ہم بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر انھیں پانی میں بھگو بھگو کر کھایا کرتے۔ عربی میں پتوں کو الخبط کہتے ہیں اسی مناسبت سے یہ لشکر جیش الخبط کہلاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم سمندر کے کنارے جا رہے تھے کہ ہمیں ساحل سمندر پر ایک بہت بڑا ٹیلا نظر آیا۔ ہم وہاں پہنچے تو وہ عنبر نامی ایک سمندری جانور تھا۔ پہلے تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ مردہ ہے۔ حرام ہے ہم نہیں کھا سکتے پھر سوچا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہوئے ہیں کھانے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں لہٰذا مجبوری کی بنا پر کھا سکتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم تین سو آدمی تھے وہاں ایک ماہ ہمارا قیام رہا اور ہم اس کا گوشت کھاتے رہے۔ اس کی آنکھ کے گڑھے سے ہم نے کئی مٹکے چربی حاصل کی اور ہم اس سے بیل کے جسم کے برابر ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کھاتے رہے۔ اور ہم سب خوب فربہ ہو گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جانور کی جسامت کا اندازہ لگانے کے لیے اس کی آنکھ کے گڑھے میں لوگوں کو بیٹھنے کا کہا تو تیرہ آدمی اس کے اندر سما گئے پھر سب سے اونچا اونٹ منگوا کر اس پر



پالان باندھا اور سب سے طویل آدمی کو اونٹ پر بٹھا کر اس کی پسلی کے نیچے سے گزارا گیا تو پسلی اس قدر بلند تھی کہ وہ بڑے آرام سے نیچے سے گزر گیا۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہونے لگے تو ہم اس کا گوشت اپنے ہمراہ مدینہ بھی لے گئے وہاں پہنچ کر ہم نے نبی ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

«هُوَ رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللهُ لَكُمْ»

''وہ (خصوصی) رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے نکالا تھا۔''[1]

پھر آپ نے دریافت فرمایا: تمھارے پاس اس کا گوشت موجود ہے تو ہمیں بھی دو، چنانچہ ہم نے آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے بھی تناول فرمایا۔ چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہوئے اس کے مخلص بندے تھے۔ قابل توجہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے رزق کا انتظام فرما دیا۔ [مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ] کا یہی مفہوم ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا بن جائے، اپنے آپ کو اس کا مطیع اور فرمانبردار بنا لے اور اس کے احکام کا عامل اور پابند ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کی پریشانیاں دور فرما دیتا ہے۔

اصحاب الاخدود کے واقعہ میں جب ایک بچہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو بادشاہ اور اس کے حواریوں نے اسے قتل کرنے کے مختلف منصوبے بنائے۔ ایک دفعہ اسے قتل کرنے کے لیے سمندر میں پھینکنے لے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور اس کی حفاظت فرمائی۔ ایک دفعہ اسے مار ڈالنے کی خاطر پہاڑ کے اوپر لے گئے تاکہ وہاں سے دھکا دے کر اسے نیچے گرا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی، پہاڑ کو حرکت ہوئی وہ سب لوگ نیچے جا گرے اور وہ بچہ محفوظ رہا۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، الصید، باب إباحة میتات البحر، حدیث: 1935

[2] صحیح مسلم، الزھد، باب قصة أصحاب الأخدود والساحر والراھب والغلام، حدیث: 3005

اللہ تعالیٰ کی نصرت وتائید

حضرت جریج رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک، صالح اور متقی بندے تھے۔ اس زمانے کی ایک عورت نے بدکاری کی، اس کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ اس سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے جریج کا نام لگا دیا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے کہ جریج تو بڑا عابد و زاہد بنتا تھا، مگر پوشیدہ طور پر وہ ایسے کام بھی کرتا ہے۔ چنانچہ جوشِ مخالفت میں وہ لوگ ان کے عبادت خانے کو گرانے آئے۔ جریج اس ساری صورت حال سے بے خبر تھے۔ انھوں نے لوگوں سے کہا، یہ مجھ پر الزام ہے۔ بچہ لاؤ، بچے کو لایا گیا تو جریج نے بچے سے پوچھا کہ تمھارا باپ کون ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچہ بول پڑا اور اس نے بتا دیا کہ میرا باپ فلاں ہے۔ لوگوں کو جریج کی بے گناہی اور پاکدامنی کا یقین ہو گیا۔[1]

دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنے بندے کی حفاظت فرمائی اور اس کی عفت کا اظہار کس طرح کروایا۔ ان واقعات سے نبی ﷺ کی اس نصیحت کی تائید وتصدیق ہوتی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین اور احکام کی پابندی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرتا اور اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح وقلم تیرے ہیں

اللہ سے سوال

نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دوسری وصیت یہ فرمائی کہ جب بھی مانگنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اس کا تعلق توحید سے ہے کہ انسان اپنی ہر قسم کی ضرورت صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے اس کے علاوہ کسی اور کو حاجت روا

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة والادب، باب تقديم بر الوالدين على التطوع بالصلاة......، حديث: 2550



اور مشکل کشا سمجھنا توحید کے منافی اور شرک ہے۔ تمام انسان خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں، اپنی تمام حاجات وضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہوتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرماتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ»

''بے شک اللہ تعالیٰ صاحب حیا وکرم ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو شرم آتی ہے کہ اسے خالی ہاتھ واپس کرے۔''[1]

اللہ تعالیٰ تو اس قدر مہربان ہے کہ رات کے وقت جب ساری کائنات آرام کرتی ہے اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں پہلے آسمان پر تشریف لا کر بندوں کو پکارتا ہے:

■ کیا ہے کوئی مغفرت کا طالب؟ میں اسے معاف کر دوں۔ کوئی ہے مجھے پکارنے والا؟ میں اس کی پکار کا جواب دوں۔ ہے کوئی سائل؟ کہ اسے عطا کروں۔ (اس طرح مختلف چیزوں کا نام لے لے کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پکارتا ہے) اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔''[2]

پس اپنی ہر حاجت وضرورت اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کا اسوہ بھی یہی ہے کہ انھوں نے اپنی ہر ضرورت کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی، حضرت آدم علیہ السلام پر آزمائش آئی تو انھوں نے دعا کی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾﴾

---

[1] سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، حديث: 1488 و جامع الترمذي، الدعوات، باب: 105، حديث: 3556 و سنن ابن ماجه، الدعاء، باب رفع اليدين في الدعاء، حديث: 3865

[2] صحيح البخاري، التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل ...... ، حديث: 1145 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل، حديث: 757

''اے ہمارے رب! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے، اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔''[1]

حضرت نوح علیہ السلام جب قوم کو تبلیغ کرتے کرتے عاجز آ گئے تو دعا کی:

﴿فَدَعَا رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَغْلُوبٌ فَٱنتَصِرْ ﴿١٠﴾﴾

''یا اللہ! میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد فرما۔''[2]

حضرت یونس علیہ السلام پریشانی کا شکار ہوئے اور مچھلی کے پیٹ میں جا پہنچے تو دعا کی:

﴿لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّى كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾﴾

''یا اللہ! تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ تو ہر عیب سے پاک ہے اور میں ہی خطا کار ہوں۔''[3]

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ہر پریشانی اور ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست کی۔ انسان اگر اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے اور کچھ نہ مانگے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ»

''جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔''[4]

یعنی دنیا کے لوگوں سے مانگا جائے تو ناخوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان ہے کہ مانگنے سے خوش اور نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

لَا تَسْأَلْ بَنِي آدَمَ حَاجَتَهُ

---

[1] الأعراف 23:7 [2] القمر 10:54 [3] الأنبياء 87:21

[4] جامع الترمذي، الدعوات، باب : من لم يسئل الله يغضب عيه، حديث : 3373 وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب فضل الدعاء، حديث : 3827 و إسناده حسن

وَاسْـأَلِ الَّـذِی أَبْـوَابُـهُ لَا تـحْـجَـبْ

اَللهُ یَـغْـضَـبُ إِنْ تَـرَكْـتَ سُـؤَالَـهُ

وَابْـنُ آدَمَ حِـیـنَ یُـسْـأَلُ یَـغْـضَـبُ

''یعنی انسان سے کوئی چیز نہ مانگو۔ بلکہ اس سے مانگو جس کے کرم و سخاوت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے اگر تو اللہ سے مانگنا ترک کر دے تو وہ ناراض ہوگا، جبکہ اس کے برعکس اگر انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔''

انسان اور رب میں یہی فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا چھوڑ دیں تو وہ ناراض ہوتا ہے اور ابن آدم سے کچھ مانگا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے وصیت فرمائی:

«وَإِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ»

''جب بھی مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔''

اللہ سے مدد

''جب مدد مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔''

توحید کے مفہوم میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انسان اپنی ہر مشکل اور پریشانی کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہو۔ کیونکہ وہی اس لائق ہے کہ انسان کی مدد کرے، اس کے علاوہ کسی میں اس کی طاقت ہے نہ اختیار۔ اس بات کی اہمیت کے پیش نظر نماز کی ہر رکعت میں یہ اقرار کرایا جاتا ہے:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝﴾

''یااللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''[1]

نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں، فرمایا:

﴿وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۖ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ ۖ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ ۚ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ۚ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾﴾

''اور تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مت پکارو جو تمھیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تمھیں نقصان پہنچانا چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ فائدہ دینا چاہے تو اس کے فضل کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے وہی بخشنے والا، مہربان ہے۔''[2]

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان کی عاجزی کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى ٱلْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَـٰمِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَٱدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١٩٤﴾﴾

''کیا یہ لوگ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ خود

---

(1) الفاتحۃ 5:1 (2) یونس 10:106-107



اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جو اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ ان پکارنے والوں کی۔ اگر تم ان لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ بھی تو یہ تمھارا کہنا نہ مانیں گے۔ تم انھیں بلاؤ یا خاموش رہو، برابر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو تم جیسے بندے ہیں، انھیں پکار کر دیکھ لو۔ اگر تم سچے ہو تو انھیں تمھاری بات پوری کرنی چاہیے۔''[1]

اسی طرح مزید فرمایا:

﴿أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ﴾

''کون ہے جو پریشان حال کی پکار کا جواب دے جب وہ پکارے اور وہ تکالیف کو ہٹائے۔''[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں۔ چونکہ پکار سننے والا، مدد کو پہنچنے والا، اور مصائب کو دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، اس لیے جب بھی مدد کی ضرورت ہو تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی وصیت فرمائی:

«وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ»

''جب بھی مدد مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔''

خیال رہے اس سے مراد فوق الاسباب یعنی ذرائع اور وسائل کے بغیر مدد طلب کرنا ہے۔ اسباب و وسائل کے بغیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی مدد فرماتا ہے۔ اور اسباب و وسائل کے مطابق انسان بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ﴾

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''[3]

---

[1] الأعراف 7:191-194 [2] النمل 27:62 [3] المائدة 5:2

اللہ پر توکل

آپ نے مزید نصیحت یہ فرمائی کہ ساری انسانیت مل کر بھی تمھیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی۔ اسی طرح سب لوگ مل کر تمھیں نقصان پہنچانا چاہیں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ١٢٢﴾

''اہل ایمان کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔''[1]

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ٦٧﴾

''میرا اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔''[2]

﴿قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٥١﴾

''کہہ دیجیے! ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے اہل ایمان کو چاہیے کہ اسی پر بھروسا کریں۔''[3]

جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے اسے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے:

﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ﴾

---

(1) آل عمران 122:3 (2) یوسف 67:12 (3) التوبۃ 51:9

''اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔''[1]

یک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھو جیسا کہ اس پر بھروسا رکھنے کا حق ہے۔ تو وہ تمھیں پرندوں کی طرح رزق دے گا کہ وہ صبح کو خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔''[2]

رف اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسا کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اس لیے آپ نے یہ نصیحت بھی رمائی کہ مومن کا پورا اعتماد، بھروسا اور توکل صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے۔ لوگ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے کو توکل نہیں کہتے بلکہ محنت و کوشش کے بعد نتائج و عواقب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا نام توکل ہے۔

ازالۂ مشاکل

پ نے یہ بھی فرمایا کہ آسودگی و خوشحالی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو وہ تنگدستی میں تمھاری مدد کرے گا۔

تقدیر

آپ نے فرمایا: یاد رکھو! تم جس چیز سے محروم ہو وہ تمھاری قسمت میں نہیں تھی اور جو تمھیں مل گئی ہے، وہ مل کر رہنی تھی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جو بہرحال پورے ہو کر رہتے ہیں۔

صبر

خر میں رسول اللہ ﷺ نے صبر کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی

---

① الطلاق 3:65

② سنن ابن ماجه، الزهد، باب التوكل و ليقين، حديث: 4164

مدد صبر سے وابستہ ہے اور تکالیف کے بعد خوشحالی آیا کرتی ہے۔ اور تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی موقع پر کوئی امتحان، آزمائش یا پریشانی ہو تو صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ آخر کار وہ تکلیف اور پریشانی دور ہو جائے گی۔



باب: ۲۰ ـ الحياء من الإيمان

حیا ایمان کا حصہ ہے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الأَنْصَارِيِّ الْبَدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ»

سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سابقہ نبوت کے کلام میں سے لوگوں نے جو باتیں پائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تو حیا چھوڑ دے تو جو دل چاہے کر۔''[1]

لغوی تشریح: [إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى] یعنی وہ حکم جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں۔ سابقہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں حیا ایک ممدوح صفت رہی اور اس کا حکم دیا جاتا رہا اور یہ حکم کسی بھی شریعت میں منسوخ نہیں ہوا۔ [فاصنع ما شئت] جو دل چاہے کر، اس میں تہدید اور وعید ہے۔

فوائد: اس حدیث مبارک میں نبی ﷺ نے حیا کی اہمیت واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس قدر اہم ہے کہ یہ تمام سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا جز رہا ہے۔ جب حیا ہی نہیں تو انسان جو دل چاہے کرتا رہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

حیا

اس فطری جذبہ کو حیا کہتے ہیں جو انسان کو نیکی کی طرف راغب کرتا، برائیوں اور خلاف

[1] صحیح البخاری، الأنبیاء، باب: 54 حدیث: 3484,3483

حیا ایمان کا حصہ ہے

مروت کاموں سے نفرت دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باحیا ہو۔ نبی ﷺ نے اسے ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«أَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَىٰ عَنِ الطَّرِيقِ: وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيمَانِ»

''ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں ان میں سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ یعنی توحید ہے اور سب سے کم تر درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''[1]

حضرت ابو ہریرہ اور ابوبکرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ. وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ»

''حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان دخول جنت کا ذریعہ ہے۔''[2]

ایمان دار شخص باحیا ہوتا ہے اور جس میں حیا کا جذبہ نہ ہو وہ گویا ایمان کے اس وصف سے محروم ہے۔ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ»

''اسے رہنے دو، کچھ نہ کہو، حیا ایمان کا حصہ ہے۔''[3]

---

(1) صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان عدد شعب الإیمان......، حدیث: 35

(2) سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحیاء، حدیث: 4184 و ابن حبان (موارد الظمآن)، حدیث: 1929,24 و المعجم الأوسط للطبرانی: 230/6,16/4

(3) صحیح البخاری، الإیمان، باب الحیاء من الإیمان، حدیث: 24 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان شعب الإیمان......، حدیث: 36



آپ ﷺ نے حیا کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّهُ»

''حیا مکمل طور پر خیر ہی خیر ہے۔''①

حیا کی اہمیت کے ضمن ہی میں آپ نے فرمایا:

«مَا کَانَ الْفُحْشُ فِی شَیْءٍ قَطُّ إِلَّا شَانَهُ. وَلَا کَانَ الْحیاءُ فِی شَیْءٍ قَطُّ إِلَّا زَانَـهُ»

''بے حیائی جس میں ہو اسے معیوب بنا ڈالتی ہے اور جس میں حیا آ جائے وہ اسے مزین اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔''②

حیا کا مطلب یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو برائی اور گناہ سے بچائے اور شرم گاہ وغیرہ پر قابو رکھے۔ اسلام میں شرم و حیا پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ آپ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔③

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِی إِلَّا بِخَیْرٍ»

''حیا خیر و برکت ہی لاتی ہے۔''④

---

① صحیح البخاری، الأدب، باب الحیاء، حدیث : 6117 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان شعب الإیمان......، حدیث : 37

② سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحیاء، حدیث :4185

③ صحیح البخاری، المناقب، باب صفة النبی ﷺ، حدیث :3562 و صحیح مسلم، الفضائل، باب حیائه ﷺ، حدیث :2320

④ صحیح البخاری، الأدب، باب الحیاء، حدیث : 6117 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان عدد شعب الإیمان......، حدیث :37

حیا ایمان کا حصہ ہے

ان تمام احادیث سے حیا کی اہمیت و برکت واضح ہوتی ہے، اس لیے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ جس انسان میں شرم و حیا کا جذبہ نہ رہے، اس سے کسی نیکی، بھلائی اور خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی، اکبرالہ آبادی فرماتے ہیں:

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین
دنیا کی جس کو شرم ہے، مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے



اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی

عَنْ أَبِي عَمْرٍو، وَقِيلَ أَبِي عَمْرَةَ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا، لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرَكَ، قَالَ: «قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»

سیدنا ابو عمرو (یا ابو عمرہ) سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی واضح بات فرمائیں کہ اس کے متعلق مجھے آپ کے علاوہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: "تو کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، اور پھر اس پر ثابت قدم رہ۔"[1]

لغوی تشریح: [فِي الْإِسْلَامِ] اسلام کے بارے میں یعنی اسلامی احکام اور عقیدے کے متعلق۔ [قَوْلًا] "بات" یعنی ایسی جامع بات جو دینی احکام پر مشتمل اور اس قدر واضح ہو کہ اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہ ہو۔ [قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ] تو کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کی تجدید کیا کر۔ دل اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرتا رہ۔ [ثُمَّ اسْتَقِمْ] پھر اسی پر پکا ہو جا۔ یعنی شرعی احکام پر عمل اور احکام شرعیہ کی مخالفت سے اجتناب کرنے پر ثابت قدم رہ۔

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب جامع أوصاف الإسلام، حديث: 38

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی

فوائد: حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کی بابت کوئی ایسی جامع بات فرمائیں کہ اسلام کا مفہوم واضح ہو جائے اور پھر کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے انتہائی جامع جواب مرحمت فرمایا:

«قُلْ: آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»

''امنت باللّٰہ کہنے کے بعد اس پر ثابت قدم رہ۔''

ایک محبِ صادق کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے شمار قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کمالِ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے والے ان تمام صدمات کو برداشت کیا جائے اور انسان ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝١٣ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝١٤﴾

''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اسی پر ثابت قدم رہے ان پر قیامت کے دن کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ ایسے لوگ جنتی ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور انھیں ان کے کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔''[1]

معلوم ہوا کہ قبولِ ایمان کے بعد استقامت کی بڑی اہمیت ہے اور یہ پورے دین کی روح رواں ہے۔ اس کے بغیر مسلمان کی دینی زندگی بے روح اور بے کیف ہے بلکہ انسان صراطِ مستقیم سے بھٹک بھی سکتا ہے۔ کسی کام میں مسلسل جدوجہد کرنا اور پوری توجہ سے مشغول رہنا استقلال و استقامت ہے۔ انسان جس چیز کو درست اور حق سمجھے اسے اختیار کرنا اور اس راہ میں جو مصائب آئیں انھیں برداشت کرنا اور جان تک کی پروا نہ کرنا اسے استقامت فی الدین والایمان کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی استقامت کی تلقین کی گئی ہے:

[1] الأحقاف 46:13-14

﴿فَٱسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا۟ ۚ إِنَّهُۥ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوٓا۟ إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾﴾

''آپ دین پر ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور وہ توبہ کر چکے ہیں وہ بھی دین پر ثابت قدم رہیں۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو، بے شک وہ تمھارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرف میلان نہ رکھو جو ظالم ہیں، ورنہ تم جہنم کے مستحق ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمھارا مددگار ہوگا نہ تمھاری مدد کی جائے گی۔''[1]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فَلِذَٰلِكَ فَٱدْعُ ۖ وَٱسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ﴾

''پس آپ لوگوں کو اسی دین کی طرف بلائیں اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم ہے اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔''[2]

چنانچہ نبی ﷺ کو دین کی اشاعت و تبلیغ کے سلسلہ میں بہت سی تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، جب ان مصائب کے واقعات پڑھے جاتے ہیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا کی خاطر آپ نے اندوہناک مصائب میں انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔ کفار اور مشرکین نبی ﷺ کے ساتھ مل جانے اور ایمان قبول کرنے والوں کو بھی انتہائی اذیت ناک تکالیف دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کا آقا امیہ گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتا اور دہکتے کوئلوں پر کمر کے بل لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیتا اور مطالبہ کرتا تھا کہ اسلام سے منحرف ہو جاؤ اور محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ دو مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ برداشت

---

① ہود 11: 112-113 ② الشوریٰ 42: 15

کرتے اور زبان سے مسلسل کلمۂ توحید کا اقرار و اعلان کرتے رہتے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کفار کے ظلم و ستم کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ گویا یہ ان مصائب پر پریشانی کا اظہار تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنھیں ایمان قبول کرنے کی پاداش میں چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچا گیا اس کے باوجود وہ لوگ دین پر پختہ رہے کیا تم ابھی سے گھبرا گئے ہو۔''[1]

جب کوئی شخص صدق دل سے ایمان قبول کرتا ہے تو اسے تکالیف و مصائب کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے کیونکہ ایمان و اسلام کے نتیجے میں ملنے والی جزا کوئی معمولی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے اور خوب آزماتا ہے، جو لوگ اس امتحان میں پورے اترتے ہیں پھر ان کے لیے ایسا عظیم ثواب اور بدلہ ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ ٱلَّذِينَ خَلَوْا۟ مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ ٱلْبَأْسَآءُ وَٱلضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوا۟ حَتَّىٰ يَقُولَ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ مَتَىٰ نَصْرُ ٱللَّهِ ۗ أَلَآ إِنَّ نَصْرَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾﴾

''کیا تم نے سمجھا ہے کہ تم جنت میں یوں ہی چلے جاؤ گے (جبکہ) ابھی تک تم پر وہ احوال وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آتے تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے شمار تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ہلا ڈالے گئے، یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یاد رکھو! اللہ کی

---

[1] صحيح البخاري، الإكراه، باب من اختار الضرب والقتل والهوان على الكفر، حديث: 6943

مدد قریب ہے۔''[1]

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتْرَكُوٓاْ أَن يَقُولُوٓاْ ءَامَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَلَيَعْلَمَنَّ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ صَدَقُواْ وَلَيَعْلَمَنَّ ٱلْكَٰذِبِينَ ﴿٣﴾﴾

''کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ انھیں ایمان قبول کرنے کے بعد یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا اس طرح اللہ ظاہر کرے گا کہ ایمان کے دعوے میں کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں۔''[2]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُواْ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَٰمُواْ تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُواْ وَلَا تَحْزَنُواْ وَأَبْشِرُواْ بِٱلْجَنَّةِ ٱلَّتِى كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَآؤُكُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِىٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾﴾

''بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو مان لیا اور پھر اس پر پختہ ہو گئے تو ان پر فرشتے نازل ہو کر ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غمگین مت ہوو، تمھیں جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا و آخرت میں ہم تمھارے ساتھی ہیں اور تمھارے لیے وہاں ہر قسم کی دلخواہ اور دل پسند نعمتیں ہوں گی اور اللہ تعالیٰ مہربان، بخشش کرنے والے کی طرف سے مہمانی ہوگی۔''[3]

---

① البقرة 214:2 ② العنکبوت 29:2-3 ③ حم السجدة 41:30-32

شہادت سیّدنا خبیب رضی اللہ عنہ

4 ہجری میں غزوۂ رجیع ہوا۔ نبی ﷺ نے عضل اور قارہ کے لوگوں کی خواہش پر دس آدمیوں کو حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے زیر امارت تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ مکہ اور عسفان کے درمیان بنی ہذیل کا ایک قبیلہ بنولحیان رہتا تھا۔ ان لوگوں نے بنولحیان کو اکسایا۔ انھوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کردی۔ سات آدمی موقع پر شہید ہو گئے۔ تین باقی بچ گئے۔ یہ تینوں جان کی امان کے وعدے پر نیچے اتر آئے اور ہتھیار ڈال دیے۔ ان میں سے ایک حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کفار نے موقع پاتے ہی ان کے ہاتھ باندھ کر انھیں گرفتار کرلیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ تمھاری بدعہدی ہے مگر ان کافروں نے پروانہ کی، تین مسلمانوں میں سے ایک عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ یہ بدعہدی گوارا نہ کر سکے اور احتجاج کرتے ہوئے لڑنے لگے اور لڑتے لڑتے مردانہ وار جان دے دی۔ اب دو آدمی باقی رہ گئے۔ مشرکین نے ان دونوں کو لے جا کر مکہ میں فروخت کر دیا۔ حضرت خبیب کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خرید لیا، جسے غزوۂ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا۔ عقبہ بن حارث نے انھیں گھر میں لا کر قید میں ڈال دیا۔ موہب کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے لیے مشرکین نے بڑا اہتمام کیا۔ حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا۔ لوگوں کو جمع کیا گیا۔ جب وہ لوگ قتل کے لیے خبیب رضی اللہ عنہ کو لینے آئے تو فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ دو رکعت نماز پڑھ لوں، جی تو زیادہ پڑھنے کو چاہتا ہے لیکن تم سمجھو گے کہ میں موت کے خوف سے بہانہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ نماز سے فارغ ہو کر سوئے مقتل روانہ ہوئے تو آپ کی زبان پر دعا کے یہ الفاظ تھے:

«اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَلَا تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا

''یا اللہ! تو انھیں شمار کر، ایک ایک کر کے انھیں قتل کر اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔''

مقتل کے قریب پہنچے تو یہ شعر پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لله مَصْرَعِي
وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الْإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ
يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعِ»

''جب میں بحالت اسلام قتل ہو رہا ہوں تو مجھے کوئی غم نہیں اور کوئی پروا نہیں کہ میں کس پہلو گرتا ہوں۔ میرے ساتھ یہ سلوک اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہو رہا ہے، وہ چاہے تو کٹے ہوئے اعضا پر برکت نازل کر دے گا۔''[1]

وہ کئی ماہ قید میں رہے۔ حرمت والے مہینے گزر گئے تو قتل کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے نگران سے تین باتوں کی درخواست کی، آبِ شیریں پلانا، بتوں کے نام کا ذبیحہ (حرام) نہ کھلانا اور قتل سے پہلے خبر کر دینا، آخری درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی۔ جب قتل کا پروگرام بنا تو اس نے آ کر آگاہ کر دیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے طہارت کے لیے استرا مانگا، اس نے لا دیا۔ اس کا بچہ کھیلتا ہوا ان کے پاس چلا آیا۔ انھوں نے از راہِ شفقت بچے کو اپنی ران پر بٹھا لیا۔ ماں کی نظر پڑی تو گھبرا گئی کہ کہیں خبیب رضی اللہ عنہ عداوت میں ہمارے بچے کو نقصان نہ پہنچا دیں۔ وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں گھبرائی ہوئی آئی۔ خبیب رضی اللہ عنہ ان کی پریشانی کی وجہ بھانپ گئے۔ فرمایا: کیا تمھارا خیال ہے کہ میں اپنے خون کا بدلہ اس معصوم سے لوں گا۔ حاشا!

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ الرجیع......، حدیث: 4086 و مسند أحمد: 294/2

ہم ایسا نہیں کرتے۔ خبیب رضی اللہ عنہ کی باتوں کا اس پر بہت اثر ہوا۔ وہ کہا کرتی تھی کہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ اس قید میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر خصوصی فضل فرماتا تھا۔ عقبہ کی بیوی ہی کا بیان ہے کہ میں نے بارہا ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا، حالانکہ ان دنوں انگور کا موسم نہ تھا اور وہ بندھے ہوئے تھے، کہیں جا سکتے تھے نہ کسی کو ان کے پاس آنے کی اجازت تھی۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رزق تھا جو خزانۂ غیب سے انھیں ملتا تھا۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا مفہوم یوں ادا کیا ہے:

جب نکلتی جان ہے اسلام پر
تب نہیں پروا مجھ کو جان کی
کیوں نہ دوں کامل خوشی سے اپنی جان
چاہیے مجھ کو رضا رحمان کی
آرزو پنہاں میرے سینے میں تھی
اس دلِ مشتاق پُر ارمان کی
آنکھ کر لیتی زیارت وقتِ نزع
داعیٔ حق، ہادیٔ ایمان کی
اے خدا! پہنچا انھیں میرا سلام
جان جن پر میں نے بھی قربان کی

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی پر لٹکایا گیا تو ابوسفیان نے آپ سے کہا بتاؤ! اب تم پسند کرتے ہو کہ تمھاری جگہ یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم بچ جاتے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان کے بدلے انھیں ایک کانٹا بھی



چبھے۔ لوگوں نے کہا: تم اسلام چھوڑ دو تو تمھیں آزاد کر دیا جائے گا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم میرے سامنے ساری دنیا کی دولت بھی لا کر ڈھیر کر دو، تب بھی میں اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔ آخر عقبہ بن حارث اٹھا اور اس نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس طرح آپ اسلام کی تاریخ میں جرأت اور صبر و استقامت کا ایک شاندار نمونہ چھوڑ کر اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔ یہ کیسا عجیب منظر تھا، ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے کیسے ظلم ہو رہے تھے، بطحائے کفر کا قاتل فرزندِ توحید کو کس بری طرح قتل کر رہا تھا لیکن یہ فرزند اسلام، پیکر رضا بنا ہوا بڑی خوشی و رضامندی کے ساتھ اپنے خالق کے نام پر جان دے رہا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

نبی ﷺ کو اس سانحہ کی اطلاع وحی کے ذریعے سے ہوئی تو آپ نے فرمایا: خبیب! تجھ پر سلام اور پھر آپ نے عمرو بن ربیعہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اس شہید اسلام کی لاش کا پتہ چلانے کے لیے مکہ بھیجا۔ عمرو بن ربیعہ رات کے اندھیرے میں سولی کے پاس گئے درخت پر چڑھ کر رسی کاٹی۔ جسد اطہر زمین پر گرا۔ نیچے آئے کہ اسے اٹھا لیں مگر یہ مقدس جسم زمین کے قابل نہ تھا۔ فرشتوں نے اسے اٹھا کر وہاں پہنچا دیا جہاں شہیدانِ وفا کی روحیں رہتی ہیں۔ عمرو بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے کہا: اسے زمین تو نہیں نگل گئی۔[1]

قتل کرتے وقت مشرکین نے انھیں قبلہ رخ نہ رکھا تھا لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا وہ کسی دوسری طرف کیسے پھر سکتا تھا۔ مشرکین نے بار بار اسے دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ سعد بن عامر رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے تھے، ان کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی یکبارگی بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو

---

[1] البدایة والنهایة، جزء رابع، ص: 69

بولے مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی شکایت۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے موقع پر میں مجمع میں موجود تھا۔ مجھے جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو فوراً بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ ان کے علاوہ بھی کشتگانِ راہِ اسلام کے بہت سے واقعات ہیں۔ سب کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے [إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ] کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت حبیب بن زید مازنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے۔ الاستیعاب وغیرہ میں ان کے واقعے کی تفصیل مل سکتی ہے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ دین میں استقامت ہی سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام اور مقبولیت مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین و ایمان پر استقامت نصیب فرمائے۔ (آمین)





فرائض اور حلال وحرام کا امتیاز والتزام

عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ الأَنْصَارِيِّ رَضِىَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَصُمْتُ رَمَضَانَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلالَ، وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَلَمْ أَزِدْ عَلَى ذٰلِكَ شَيْئًا، أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: «نَعَمْ» رواه مسلم «ومَعْنَى حرَّمْتُ الْحَرامَ: اجْتَنَبْتُهُ، وَمَعْنَى أَحْلَلْتُ الْحَلَالَ: فَعَلْتُهُ مُعْتَقِدًا حِلَّهُ»

ابوعبداللہ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ" ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: فرمایئے! اگر میں (صرف) فرض نمازیں ادا کروں، (صرف) رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں اور اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں تو کیا میں جنت میں جا سکوں گا۔ آپ نے فرمایا:" ہاں۔"[1]

لغوی تشریح: [أَنَّ رَجُلاً] اس شخص کا نام نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ ہے۔ وہ بنوخزاعہ قبیلے سے تھے انھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ [أرأيت] بتلایئے اور فتویٰ دیجیے۔ [الْمَكْتُوبَات] پنجگانہ فرض نمازیں۔ [حَرَّمْتُ الْحَرَامَ] کے معنی ہیں حرام سے اجتناب کروں اور [أَحْلَلْتُ الْحَلَالَ] کے معنی ہیں کہ میں حلال کام کی حلت کا اعتقاد

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان الذي يدخل به الجنة وأن من تمسك ما أمر به دخل الجنة، حديث: 15

رکھتے ہوئے اس پر عمل کروں۔

فوائد: اس حدیث کی دوسری سند میں اس سائل کا نام نعمان بن قوقل ذکر ہوا ہے۔اس نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اگر صرف فرض نمازیں ادا کروں، رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں اور اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں تو کیا جنت میں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا:'' ہاں، جو شخص صرف فرائض کا صحیح طور پر عامل ہو، وہ جنت میں جائے گا۔''

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ صرف فرائض پر اکتفا کرنا اور نوافل کو ترک کر دینا اگر چہ جائز ہے تاہم نوافل وسنن ادا کرنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نوافل وتطوع کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے فرائض میں کوئی کمی پائی گئی، وہ نوافل کے ذریعہ سے پوری کی جائے گی۔[1]

اگر کوئی شخص تحقیر واستخفاف کی بنا پر سنت کو چھوڑے تو وہ کافر ٹھہرے گا۔رسول اللہ ﷺ نے اس سائل کو صرف فرائض پر عمل کرنے کی اجازت دے دی، شاید باقی احکام اس وقت تک فرض نہ تھے یا آپ یہ جانتے تھے کہ یہ شخص اسلام پر راسخ ہونے کے بعد باقی احکام پر خود بخود عمل کرے گا۔ یا فرائض کے تابع سنن مؤکدہ انھی فرائض کا حصہ ہیں۔ان سے الگ نہیں اور ان کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

حلال وحرام

حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں۔ حلال کو حلال سمجھنا واجب ہے، البتہ حلال اشیاء کا استعمال اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ حلال میں سے جو امور واجب ہوں ان پر عمل کرنا ضروری

---

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب قول النبيﷺ: كل صلاة لايتمها صاحبها تتم من تطوعه، حديث: 864، و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب ماجاء في أول......، حديث: 1426



ہے، البتہ حرام کو حرام سمجھنا اور اس سے مکمل اجتناب فرض ہے، تاہم اضطرار کی صورت میں بعض امور مستثنیٰ ہیں۔

جنت میں داخلہ

''کیا میں جنت میں جاؤں گا۔'' اس کا مقصد یہ تھا کہ ان ارکان کو ادا کرنے کی صورت میں سیدھا جنت میں جاؤں گا یا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔

جب تم فرائض کی مکمل پابندی کرو، حلال کو اختیار کرو اور حرام سے اجتناب کرو گے تو جنت میں جاؤ گے۔ اس نے سن کر کہا: وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا ''اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس سے زیادہ کچھ نہ کروں گا۔''

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ دین کے ارکان و فرائض کو صحیح طور پر بجالائیں۔ احکامِ الٰہی کو تسلیم کریں اور دل میں اطاعت الٰہی کا جذبہ موجزن کریں۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اور دین پر عمل کا شوق اور ولولہ دل میں پیدا ہو گا تو زیادہ سے زیادہ نوافل کی رغبت ہو گی۔ اسی لیے نبی ﷺ نے سائل کے جواب میں دین کے بنیادی امور ذکر فرما دیے اور نوافل و سنن کا ذکر نہ فرمایا کہ جب اسلام اس کے قلب و ذہن میں راسخ ہو جائے گا تو باقی عبادات کی طرف اس کی طبیعت خود بخود مائل ہو جائے گی۔



باب:۲۳۔ کلُّ خیر صدقة

ہر اچھا کام صدقہ ہے

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمٍ الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الطُّهُورُ شَطْرُ الإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَائِعٌ نَفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا»

سیدنا ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پاکیزگی نصف ایمان ہے، ''الحمدللہ'' کا کلمہ ترازو کو بھرتا ہے۔ (نیکی کے پلڑے کو وزنی کرے گا) ''سبحان اللہ'' اور ''الحمدللہ'' یہ دونوں کلمے زمین و آسمان کے مابین خلا کو پر کرتے ہیں، نماز (نمازی کے لیے) نور ہے، صدقہ (صدقہ کرنے والے کے لیے ایمان کی) نشانی ہے، اور صبر (صبر کرنے والے کے لیے) روشنی ہے اور قرآن تمھارے حق میں یا تمھارے خلاف دلیل ہوگا، ہر شخص روزانہ اپنا سودا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں یا تو خود کو (جہنم سے) آزاد کرالیتا ہے یا خود کو تباہ کر بیٹھتا ہے۔'' [1]

لغوی تشریح: [الطُّهُورُ] طا پر پیش: طہارت و پاکیزگی۔ طا پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے وہ چیز جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جائے۔ طہارت کا لغوی معنی ہے ظاہری اور باطنی، محسوس

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223



او غیر محسوس، ہر قسم کی میل اور خرابی سے بچنا اور شرعاً عدم طہارت کے ازالہ یا محض ثواب کو بھی طہارت کہتے ہیں۔ [شَطْرُ الإِيمَانِ] ''شطر'' نصف کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ طہارت کا اجر و ثواب ایمان کے ثواب کے نصف تک جا پہنچتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے ایمان سے نماز مراد لی ہے اور انھوں نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے کہ نماز چونکہ طہارت کے بغیر درست نہیں ہوتی تو گویا یہ ایمان کا نصف ہے۔ مترجم کی رائے میں یہاں ''شطر'' کا معنی نصف کے بجائے ''عظیم حصہ'' بھی ہو سکتا ہے اور عربوں کے ہاں کسی چیز کے عظیم حصہ کو بھی ''شطر'' کہتے ہیں۔ ویسے یہ لفظ نصف کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

[وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ] ''الحمدللہ'' میزان اعمال کو بھر دے گا یعنی ان الفاظ کو پڑھنا اور ان کے معنی ذہن میں مستحضر رکھنا، اس کا ثواب میزان کو وزنی کر دے گا۔ انسان اپنے اختیار سے جو اچھے کام کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے تو اسے ''حمد'' کہتے ہیں۔ میزان سے مراد وہ ترازو ہے جس میں قیامت کے روز اعمال کا وزن کیا جائے گا [سُبْحَانَ اللّٰهِ] اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے منزہ سمجھنا جو اسے لائق نہیں۔

[وَالصَّلَاةُ نُورٌ] نماز نور یعنی نور کا سبب ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز مسلمان کے لیے دنیا اور آخرت میں اس کے راستے کو روشن کرنے والی ہے یا یہ مراد ہے کہ نمازی کے چہرے کو منور کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص نماز کی محافظت کرتا ہے تو روزِ قیامت نماز اس کے لیے نور، برہان اور نجات کا سبب ہوگی۔''[1]

[وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ] صدقہ، صدقہ کرنے والے کے لیے ایمان کی برہان یعنی واضح اور

---

[1] مسند أحمد: 169/2 و صحيح ابن حبان (ابن بلبان) حديث: 1468 و الحديث صحيح

قطعی دلیل ہے۔ [والصّبرُ ضیاءٌ] ''صبر روشنی ہے'' یعنی صبر کے ذریعے سے اندھیرے اور مشقتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ [القرآنُ حُجّةٌ لك أو علیك] یعنی اگر تو قرآنی احکام پر عمل کرے تو قرآن تیرے لیے حجت ہوگا اور تو اس کے انوار سے ہدایت پائے گا اور اگر تو اس کی منع کردہ اشیاء اور امور سے اجتناب نہ کرے اور اس کے احکام و حقوق ادا کرنے سے اعراض کرے تو یہ تیرے خلاف حجت ہوگا۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ»

''قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، یہ قیامت کو تلاوت کرنے والوں کے حق میں سفارش کرے گا۔''[1]

[یغدُو فبائعٌ نفسَه] اپنے آپ کو بیچتا ہے۔ یعنی ایسے عمل کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور عتاب سے محفوظ رکھتے ہیں۔ [فمُعتِقُها] اپنے آپ کو آزاد کرتا ہے یعنی عذاب سے بچا لیتا ہے۔ [أو مُوبِقُها] یا گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔

فوائد: اس حدیث میں نبی ﷺ نے کئی امور بیان فرمائے ہیں۔ طہارت: [اَلطُّھُورُ شَطْرُ الإیمان] پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ ''الطھور'' کے لفظ میں طا مضموم ہے اور یہ مصدر ہے ''الطھور'' طا پر زبر ہو تو اس سے وہ چیز مراد ہوتی ہے جس سے طہارت کی جائے یعنی پاکیزگی حاصل کی جائے۔

پاکیزگی

اسلام دین فطرت ہے۔ اس لیے طہارت پر بہت زور دیتا ہے۔ طہارت جسم کی ہو یا لباس

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن وسورۃ البقرۃ، حدیث: 804 وانظر صحیح الجامع الصغیر، حدیث: 1165

لی، جگہ کی ہو یا روح کی۔ ظاہری صفائی باطن پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔اس کے کپڑے میلے اور بال پراگندہ تھے آپ ﷺ نے وجہ پوچھی۔ اس نے کہا: مجھے سادگی پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کوئی سادگی نہیں۔ سادگی میں بھی صفائی ہوتی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اونی لباس استعمال کرتے تھے۔ جمعہ کے روز گرمی کے موسم میں پسینہ آتا تو مسجد میں بو پھیل جاتی، نمازیوں کو تکلیف ہوتی۔ آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ جمعہ کے دن نہا دھو کر اجلا لباس پہن کر آیا کریں۔

اسی لیے کچی پیاز، لہسن اور دیگر بدبودار چیزیں کھا کر مسجد میں آنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ طہارت کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بھی حکم فرمایا:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾﴾

''اپنے کپڑے صاف رکھیں اور نجاست سے دور رہیں۔''[1]

طہارت رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''[2]

اہل قبا کا رواج تھا کہ وہ پانی سے استنجا کرتے تھے تاکہ خوب نظافت و صفائی ہو سکے۔[3] اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل پسند آیا تو قرآن کریم میں ان کی مدح بایں الفاظ فرمائی:

﴿فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا۟ ۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾﴾

''اس (قبا) میں ایسے لوگ ہیں جو انتہائی نظافت پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی نظیف

---

① المدثر 74:4-5 ② البقرة 2:222

③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، حديث: 3100

لوگوں سے محبت کرتا ہے۔''[1]

طہارت ونظافت کی اہمیت کی بنا پر اس حدیث میں آپ نے فرمایا:

«اَلطُّهُورُ شَطْرُ الإِيمَانِ»

''صفائی اور طہارت نصف ایمان ہے یا ایمان کا عظیم جز ہے۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ، وَلَا صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُولٍ»

''وضو کے بغیر نماز قبول ہوتی ہے نہ خیانت کے مال سے صدقہ۔''[2]

جو شخص سنت رسول کے مطابق صحیح وضو کر کے نماز ادا کرے، اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر لوگوں کو وضو کر کے دکھایا اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو کیا کرتے تھے پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ، لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جو شخص میری طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ ان میں اپنے دل سے گفتگو نہ کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[3]

ذکر الٰہی

اس کے بعد آپ نے ذکر الٰہی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''الحمدللہ'' کا کلمہ میزان کو بھر دے گا۔ ''سُبْحَانَ اللهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' زمین و آسمان کے مابین خلا کو بھر

---

[1] التوبة 9:108

[2] صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة، حديث: 224

[3] صحيح مسلم، الطهارة، باب صفة الوضوء وكماله، حديث: 226



دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وَلَذِكْرُ ٱللَّهِ أَكْبَرُ﴾

''اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی چیز ہے۔''[1]

﴿فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ﴾

''تم میرا ذکر کرو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔''[2]

﴿أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾﴾

''خبردار! اللہ تعالیٰ کی یاد سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے۔''[3]

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الَّذِی یَذْکُرُ رَبَّهُ وَالَّذِی لَا یَذْکُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ»

''اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کی مثال زندہ کی سی اور اسے یاد نہ کرنے والے کی مثال مردہ کی سی ہے۔''[4]

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی ایک صدقہ ہے صحیح مسلم کے حوالے سے ایک حدیث آگے (حدیث:25) آ رہی ہے کہ کچھ لوگوں نے آ کر نبی ﷺ سے کہا، یارسول اللہ! مالدار لوگ اجر وثواب میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں البتہ ان کے پاس مال ہے، وہ صدقہ کرتے ہیں، ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمھیں سُبْحَانَ اللهِ، اَللّٰهُ اَکْبَر ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وغیرہ پڑھنے پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نادار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا کہ دولتمند

---

[1] العنکبوت 45:29 [2] البقرۃ 152:2 [3] الرعد 28:13

[4] صحیح البخاری، الدعوات، باب فضل ذکر اللّٰہ، حدیث: 6407

ہر اچھا کام صدقہ ہے

صحابہ ہماری طرح نماز پڑھتے، روزہ رکھتے اور دیگر عبادات بجا لاتے ہیں البتہ وہ صدقہ بھی کرتے ہیں ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں۔ جب تم وہ کرو گے تو تم آگے جانے والوں کو جا ملو گے اور بعد والوں کو بہت پیچھے چھوڑ دو گے۔ تم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمدللہ 33,33 دفعہ اور اللہ اکبر 34 مرتبہ کہا کرو۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آسان عمل ایسے ہیں کہ جو مسلمان ان پر کاربند ہو، جنت میں جائے گا مگر عمل کرنے والے بہت قلیل ہیں۔ ایک عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمدللہ" دس دس بار کہا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ یہ زبان پر صرف ڈیڑھ سو کلمے ہیں لیکن میزان میں پندرہ سو ہوں گے۔

آپ نے فرمایا دوسرا عمل یہ ہے کہ رات کو جب بستر پر آئے تو ''سبحان اللہ 33 بار الحمدللہ 33 بار اور اللہ اکبر 34'' بار کہے۔ یہ زبان پر سو کلمے ہوں گے اور میزان میں ایک ہزار۔ بھلا تم میں سے کون روزانہ پچیس سو گناہ کرتا ہے۔

صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ انسان ان پر مداومت کیسے نہیں کرتا۔ فرمایا بندہ جب نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اسے مختلف کام یاد کرا دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ بستر پر آئے تو اسے مختلف خیالات اور وسوسوں کے بعد غافل کر کے سلا دیتا ہے اور وہ سو جاتا ہے۔[1]

نماز

نماز دین کا بنیادی رکن ہے۔ نبی ﷺ نے نماز کو اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل قرار دیا

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب التسبيح عند النوم، حديث: 5065 و جامع الترمذي، الدعوات، باب فضل التسبيح ......، حديث: 3410 و سنن ابن ماجه، ابو ب إقامة الصلوات، باب ما يقال بعد التسليم، حديث: 926 و الحديث صحيح



ہے۔نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ﴾

''بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔''①

ایک حدیث میں ہے:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهُ نُورًا»

''جو شخص نماز کی محافظت کرے تو یہ اس کے لیے نور، ایمان کی دلیل اور قیامت کے دن ذریعۂ نجات ہو گی اور جو نماز کی محافظت نہ کرے یہ اس کے لیے نور ثابت نہ ہو گی۔''②



صدقہ

آپ نے صدقہ کی اہمیت وفضیلت کے بارے میں فرمایا:

«اَلصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ»

''صدقہ (صدقہ کرنے والے کے ایمان کی) نشانی ہے۔''

اسلام میں صدقہ کی بڑی اہمیت ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حکم فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾

''آپ ان سے ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک صاف کریں۔''③

---

① العنکبوت 29:45

② مسند أحمد 2/169 و صحیح ابن حبان (ابن بلبان)، حدیث : 1467

③ التوبة 9:103

آپ نے فرمایا:

«وَالصَّدَقَةُ تُطْفِىءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِىءُ الْمَاءُ النَّارَ»

''صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا ڈالتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔''[1]

صدقہ جب خلوص اور محض رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے تو معمولی صدقہ بھی انسان کی نجات کا سبب بن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ»

''صدقہ کر کے جہنم سے بچ جاؤ، خواہ ایک کھجور ہی ہو۔''[2]

ارشادِ نبوی ہے:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ»

''صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔''[3]

صبر

آپ نے فرمایا [اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ] ''صبر روشنی ہے۔'' صبر کا مطلب ہے گناہوں سے باز رہنا۔ عبادت پر صبر کا مطلب ہے کہ عبادت کو دوام کے ساتھ کیا جائے۔ مصائب و آلام کو برداشت کرنا اور جزع فزع نہ کرنے کو بھی صبر کہا جاتا ہے۔ مصیبت یا پریشانی آئے تو صبر کرنا چاہیے۔ صبر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں خوشخبری ہے۔ فرمایا:

---

[1] جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة، حدیث: 2616

[2] صحیح البخاری، الزکاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، حدیث: 1417 وصحیح مسلم، الزکاة، باب الحث علی الصدقة .....، حدیث: 1016

[3] صحیح مسلم، البر و الصلة، باب استحباب العفو و التواضع، حدیث: 2588

﴿وَبَشِّرِ ٱلصَّـٰبِرِينَ ﴿١٥٥﴾ ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَـٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓا۟ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾﴾

''اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں، انھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھ کر خاموش رہتے ہیں۔''[1]

صبر کی تین قسمیں ہیں:

- اَلصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ : اطاعت پر استقامت اختیار کرنا۔
- اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِيَةِ : گناہ اور برائی سے باز رہنا۔
- اَلصَّبْرُ فِي الْمُصِيبَةِ : تکلیف اور مصیبت کے وقت جزع فزع نہ کرنا۔

تلاوت قرآن

«وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ»

''اور قرآن تمھارے حق میں یا تمھارے خلاف حجت ہوگا۔''

جو شخص قرآن کریم کو پڑھے، سمجھے اور اس کے احکام کی پابندی کرے تو یقیناً یہ قرآن اس شخص کے حق میں حجت اور فلاح ونجات کی دلیل ہے اور جو شخص اس کی پروا نہ کرے، غفلت کا شکار ہو، اور اس کے احکام کے خلاف زندگی گزارتا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ قرآن اس کے خلاف حجت ہوگا۔ ایسے لوگوں کے خلاف خود رسول اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدمہ دائر کرتے ہوئے فرمائیں گے:

﴿يَـٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِى ٱتَّخَذُوا۟ هَـٰذَا ٱلْقُرْءَانَ مَهْجُورًا ﴿٣٠﴾﴾

''یا اللہ! میری امت کے ان لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔''[2]

(1) البقرة 2:155-156 (2) الفرقان 30:25

ہر اچھا کام صدقہ ہے

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِّأَصْحَابِهِ»

''قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قرآن صاحب قرآن کے لیے قیامت کے روز سفارشی بن کر آئے گا۔''[1]

«اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ: فَيُشَفَّعَانِ»

''روزہ اور قرآن بندے کے حق میں سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: یا اللہ! میں نے اسے (دن کے وقت) کھانے پینے اور شہوات سے روکے رکھا، اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: یا اللہ میں نے اسے رات کو نیند سے روکے رکھا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما، چنانچہ دونوں کی سفارش قبول ہوگی۔''[2]

آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص محنت و کوشش کر رہا ہے۔ اور اپنے نفس کا سودا کر رہا ہے۔ کوئی نیکی کر کے اسے آزاد کر رہا ہے اور کوئی گناہ کر کے اسے ہلاک کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی کوشش میں مصروف ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے بچا لیتا ہے اور اگر اس کا نافرمان ہے تو اپنے آپ کو ہلاکت، تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن، وسورة البقرة، حديث: 804

[2] مسند أحمد: 174/2 و المستدرك للحاكم: 554/1



باب: ٢٤- تحريم الظلم

ظلم کی حرمت

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الغِفَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ، أَنَّهُ قَالَ: «يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا، يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ، فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ، يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ، يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ، يَاعِبَادِي! إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْلَكُمْ، يَاعِبَادِي! إِنَّكُم لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي، وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا زَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا

نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَاعِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا، فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ»

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندو! میں نے اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے کہ کسی پر ظلم کروں اور میں نے اسے تمھارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں۔ پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمھیں ضرور ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جسے میں کھانا دوں، تم مجھ سے کھانا مانگو، میں تمھیں ضرور کھانا دوں گا۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں۔ تم مجھ سے لباس طلب کرو۔ میں تمھیں لباس دوں گا۔ میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو۔ میں تمام گناہ معاف کرنے والا ہوں تم مجھ سے مغفرت طلب کرو۔ میں تمھیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! تم مجھے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہو نہ فائدہ۔ میرے بندو! تم میں سے اگلے پچھلے انسان اور جن، سب کے سب نیک ترین بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل اضافہ نہ ہوگا۔ میرے بندو! اگر تم میں سے اگلے پچھلے انسان اور جن، بدترین بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل کمی نہیں آئے گی۔ میرے بندو! اگر تمھارے اگلے پچھلے انسان اور جن، تمام کے تمام کھلے میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کے مانگنے کے مطابق دیتا جاؤں تو اس سے میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آتی ہے جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے سمندر میں کمی آتی ہے۔ میرے بندو! میں تمھارے اعمال کو محفوظ کر رہا ہوں تمھیں ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔



پس جو شخص اچھا نتیجہ پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جسے اچھا نتیجہ نہ ملے تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ ①

لغوی تشریح: [حَرَّمْتُ الظُّلْمَ] میں نے ظلم حرام کر رکھا ہے۔ لغوی طور پر کسی چیز کو اس کے اصل مقام پر نہ رکھنا، ظلم کہلاتا ہے۔ اس ظلم سے مراد حد سے تجاوز اور لوگوں کے بارے میں ناجائز تصرف ہے اور یہ کلام، اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ظلم کو حرام قرار دینے کا مطلب ہے کہ یہ اللہ کے قانون عدل کے خلاف ہے۔ [ضال] گمراہ۔ یعنی رسولوں کی آمد سے قبل دین سے لاعلم اور ناواقف۔ [اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ] سوائے ان لوگوں کے جنھیں میں انبیاء و رسل کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لانے کی توفیق اور حق کے بارے میں غور کرنے کی راہ دکھاؤں۔ [فَاسْتَهْدُوْنِيْ] مجھ سے ہدایت طلب کرو یعنی مجھ سے حق کے راستہ کی راہنمائی طلب کرو۔ [فِيْ صَعِيْدٍ] کھلے میدان میں [الْمِخْيَطِ] سوئی۔ [اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا] آخرت میں ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔

فوائد: حدیث قدسی: ''اہل علم کی اصطلاح میں حدیث قدسی وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کسی بات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے روایت کریں۔ ایسی حدیث کا معنی اور مفہوم بقول بعض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور روایت رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

قرآن کریم اور حدیث قدسی میں متعدد وجوہ سے فرق ہے:

قرآن مجید	حدیث قدسی
■ قرآن مجید حضرت جبریل کے توسط ہی سے نبی ﷺ پر نازل ہوا۔	■ حدیث قدسی آپ تک کبھی بذریعۂ الہام اور کبھی بذریعۂ خواب بھی پہنچی۔
■ قرآن کریم بہ نقل متواتر منقول ہونا شرط ہے۔	■ حدیث قدسی بہ نقل متواتر منقول ہونا شرط نہیں۔

① صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: 2577

■ قرآن کریم میں تحدی اور چیلنج پایا جاتا ہے۔ ■ حدیث قدسی میں تحدی اور چیلنج نہیں پایا جاتا۔

■ قرآن کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے۔ ■ حدیث قدسی کی نماز میں تلاوت نہیں کی جاتی۔

■ قرآن کریم کے ایک جملہ کو آیت اور مجموعہ آیات کو سورت کہا جاتا ہے۔ ■ حدیث قدسی کے کسی جملے کو آیت یا جملوں کو سورت نہیں کہا جاتا۔

■ قرآن کریم کی تلاوت کرنے پر ایک ایک حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ■ یہ ثواب حدیث قدسی کی تلاوت وقراءت پر نہیں ہے۔

کتب احادیث میں احادیث قدسی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ محدثین نے احادیث قدسیہ کو مستقل کتابوں اور مجموعوں میں بھی جمع کیا ہے ان میں سے ایک مشہور کتاب علامہ عبدالروف المناوی کی ہے۔ اس کا نام ''الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ'' ہے اس میں 156 احادیث ہیں۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خطاب کرتے ہوئے مختلف باتوں کی تلقین فرمائی ہے۔

حرمت ظلم

اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ اس نے رحم کرنا اپنے اوپر فرض کرلیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا کئی دفعہ ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ﴾

''اس (اللہ تعالیٰ) نے رحم کرنا اپنے اوپر فرض کیا ہے۔''[1]

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ﴾

''تمھارے رب نے رحم کرنا اپنے اوپر فرض کیا ہے۔''[2]

﴿وَرَبُّكَ ٱلْغَنِىُّ ذُو ٱلرَّحْمَةِ﴾

[1] الأنعام 12:6 [2] الأنعام 54:6



''اور تمھارا رب لوگوں سے مستغنی اور رحمت والا ہے۔''(1)

﴿فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ﴾

''اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے۔''(2)

اللہ تعالیٰ چونکہ از حد مہربان، رحیم وشفیق ہے اس لیے وہ کسی پر ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿٤٩﴾﴾

''قیامت کے دن ہر شخص کا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ مجرمین اس میں درج اعمال سے خوف کھائیں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! اس کتاب کو کیا ہے۔ (یہ کیسی کتاب ہے۔) کہ اس نے کوئی عمل بھی نہیں چھوڑا، سب اس میں درج ہے۔ یہ لوگ جو کچھ دنیا میں کر چکے، وہ سب وہاں موجود پائیں گے اور تمھارا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔''(3)

﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾﴾

''جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا، اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ برابر برائی کی، وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔''(4)

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾﴾

---

(1) الأنعام 133:6 (2) الأنعام 147:6 (3) الكهف 49:18 (4) الزلزال 99:7-8

ظلم کی حرمت

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ اگر کسی کی ایک نیکی بھی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھا دے گا اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا کرے گا۔''[1]

﴿ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾ ﴾

''یہ سب تمھارے اعمال کے سبب ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔''[2]

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا، لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔''[3]

﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ ﴾

''اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔''[4]

﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ ﴾

''اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[5]

ان تمام آیات سے بخوبی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا۔ اسی لیے اس نے حکم دیا ہے کہ تم آپس میں بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ دنیا میں کسی کا کسی پر ظلم کرنا قیامت کے روز اندھیروں کا سبب ہوگا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''دنیا میں کیا ہوا ظلم قیامت کو ظلمات (اندھیروں) کا سبب ہے۔''[6]

---

① النساء 40:4 ② آل عمران 182:3 ③ یونس 44:10 ④ النساء 49:4 ⑤ النساء 124:4

⑥ صحیح البخاری، المظالم، باب الظلم ظلمات یوم القیامة، حدیث: 2447 و صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث: 2579



جو شخص دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے، قیامت کے دن اس ظالم کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دی جائیں گی، اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیے جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے کسی پر ظلم کیا ہو تو آج معاف کرا لے، قیامت کے دن کسی کے پاس درہم ہوں گے نہ دینار۔ اگر ظالم کے نامہ اعمال میں نیک اعمال ہوئے تو اس کے ظلم کے برابر وہ لے لیے جائیں گے، اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے ذمے ڈال دیے جائیں گے۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔'' صحابہ نے کہا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میری امت کا مفلس وہ ہے جو دنیا میں نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ جیسی نیکیاں کر کے قیامت کے دن آئے گا تو ان اعمال کے ساتھ ساتھ اس نے لوگوں پر زیادتیاں بھی کی ہوں گی، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر الزام لگایا ہوگا، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، تو ان تمام مظلوموں کو باری باری اس کی نیکیاں ظلم کے بدلے دے دی جائیں گی۔ اگر حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو مظلوموں کے گناہ اس کے ذمے ڈال دیے جائیں گے اور پھر یہ ان تمام گناہوں کے سبب جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''[2]

ہدایت

اس حدیث میں دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی کہ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو صرف وہ

[1] صحیح البخاری، المظالم، باب من کانت لہ مظلمۃ عندالرجل فحللھا لہ...... حدیث: 2449

[2] صحیح مسلم، البر والصلۃ، باب تحریم الظلم، حدیث: 2581

لوگ ہدایت پر ہیں جنھیں میں ہدایت دوں، پس تم مجھ سے ہدایت طلب کیا کرو، میں تمھیں ہدایت دوں گا۔ گویا ہدایت و راہنمائی کا مالک و مختار بھی اللہ ہے۔ اسی سے ہدایت طلب کرنی چاہیے۔ اسی لیے بندوں کو نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

﴿ اَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٦ ﴾

''یا اللہ! ہمیں صراطِ مستقیم کی رہنمائی فرما۔''[1]

انبیاء ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، یسع، اور لوط ﷺ کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝٨٧ ﴾

''ہم نے ان سب کو چنا اور صراط مستقیم کی رہنمائی کی۔''[2]

ہدایت اسی کو مل سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ ۖ ﴾

''ہدایت یافتہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور وہ جسے گمراہ کرے تم اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پاؤ گے۔''[3]

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝٥٦ ﴾

''آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کی توفیق دیتا ہے اور وہی ہدایت والوں کو بہتر جانتا ہے۔''[4]

جسے اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دے اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے:

---

① الفاتحة 6:1 ② الأنعام 87:6 ③ بنی اسرائیل 97:17 ④ القصص 56:28



﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ﴾

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس (اسلام) کی ہدایت دی۔ وہ اگر ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پر نہیں آ سکتے تھے۔''[1]

ہدایت مل جانے کے بعد یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر قائم رکھے اور اس سے محروم نہ کر دے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا ﴾

''اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اب ہمارے دلوں کو اس سے موڑ نہ دینا۔''[2]

چونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ اس لیے اس حدیث میں فرمایا: ''میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے ان کے جنھیں میں ہدایت دوں، تم سب مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ میں تمھیں ہدایت دوں گا۔''

رزق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندو! تم بھوکے ہو، سوائے اس کے جسے میں کھانا دوں۔ تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمھیں کھانا دوں گا۔''

اس حصہ میں رزق و روزی کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اس لیے رزق اور روزی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''الرزاق'' بھی ہے، یعنی بہت زیادہ رزق دینے والا۔ روئے زمین پر جس قدر مخلوقات موجود ہیں ان سب کا روزی رساں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(1) الأعراف 7:43 (2) آل عمران 3:8

﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا﴾

''زمین پر جو بھی جاندار ہے اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے۔''[1]

﴿ٱللَّهُ ٱلَّذِي خَلَقَكُمۡ ثُمَّ رَزَقَكُمۡ ثُمَّ يُمِيتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيكُمۡۖ هَلۡ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَفۡعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَيۡءٖۚ سُبۡحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشۡرِكُونَ ۝٤٠﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر تمھیں رزق دیا، پھر تمھیں مارے گا، اور پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمھارا کوئی شریک ایسے کام کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پاک اور بلند ہے جنھیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔''[2]

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ عَلَيۡكُمۡۚ هَلۡ مِنۡ خَٰلِقٍ غَيۡرُ ٱللَّهِ يَرۡزُقُكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ فَأَنَّىٰ تُؤۡفَكُونَ ۝٣﴾

''لوگو! تم اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہے جو تمھیں زمین اور آسمان سے رزق دے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تم کہاں بھٹک رہے ہو۔''[3]

چونکہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے حدیث کے اس حصہ میں فرمایا: تم سب بھوکے ہو۔ تمھیں رزق اور کھانے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ رزق اسی کو ملتا ہے جسے میں دوں، لہٰذا مجھ سے رزق طلب کرو، میں تمھیں دوں گا۔

لباس

آگے فرمایا کہ تم سب ننگے ہو، تمھیں لباس اور کپڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ لباس بھی میں دیتا ہوں۔ مجھ سے لباس مانگو، میں تمھیں پہننے کو دوں گا۔ لباس انسان کی زینت اور ستر

[1] ھود 6:11 [2] الروم 40:30 [3] فاطر 3:35



ڈھانپنے کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ﴾

''اے بنی آدم! ہم نے تمھارے لیے لباس نازل کیا ہے جو تمھارے ستر ڈھانپتا اور زینت کا کام دیتا ہے اور اس لباس سے تقویٰ کا لباس بہت بہتر ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے تو یہ دعا فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ، أَسْئَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ»

''یا اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں۔ تو نے مجھے یہ لباس مہیا کیا۔ میں تجھ سے اس لباس اور جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اس کی خیر کا طالب ہوں اور اس کے شر اور جس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔''[2]

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَسَانِي هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّي وَلَا قُوَّةٍ»

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری کسی محنت اور قوت کے بغیر مجھے یہ لباس عطا فرمایا۔''[3]

---

① الأعراف 26:7

② جامع الترمذی، اللباس، باب ما يقول إذا لبس ثوبا جديدا، حديث : 1768 وانظر مختصر شمائل الترمذی للألبانی، ص : 47

③ سنن أبی داود، اللباس، باب :1، حديث :4023

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندو! تم سب کو لباس کی ضرورت رہتی ہے تم مجھ سے لباس طلب کرو۔ میں تمھیں لباس دوں گا۔

استغفار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو، میں ہی تمام گناہ بخشنے والا ہوں۔ تم مجھ سے مغفرت طلب کرو میں تمھیں بخش دوں گا۔'' استغفار کی بڑی فضیلت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل اور پریشانی سے نجات دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ استغفار کی اسی فضیلت کی وجہ سے نبی ﷺ ایک دن میں سو سے زیادہ مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ دلوں پر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا زنگ چڑھ جاتا ہے اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ کی یاد اور استغفار ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي ، وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ»

''میرے دل پر زنگ آ جاتا ہے اور میں ایک دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔''[1]

استغفار کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ و استغفار کر لے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔''[2]

انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میرے بندے جب تک مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں انھیں معاف کرتا رہوں گا۔

---

[1] صحیح مسلم، الذکر و الدعاء، باب استحباب الاستغفار...... حدیث: 2702

[2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن باب ومن سورۃ ویل للمطففین: 3334، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر الذنوب، حدیث: 4244



حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شیطان نے کہا تھا: اے رب! مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم: جب تک ان لوگوں کے اجسام میں ان کی ارواح رہیں گی میں تب تک انھیں گمراہ کرتا رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنے عزت وجلال اور علو مکان کی قسم! یہ بندے جب تک استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انھیں معاف کرتا رہوں گا۔“ ①

اگر انسان شرک کا ارتکاب نہ کرے تو خواہ روئے زمین کے برابر گناہ کر لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے ابن آدم! تو جب تک مجھے پکارتا اور میری رحمت کا امیدوار رہتا ہے، تیرے اعمال کیسے ہی ہوں میں تجھے بخش دوں گا۔ مجھے کوئی پروانہیں، اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے استغفار کر کے معافی طلب کرے تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔ مجھے کوئی پروانہیں، اے ابن آدم! اگر تو روئے زمین کے برابر گناہ کر کے آئے اور شرک نہ کیا ہو تو میں اتنی ہی مغفرت سے تجھے نواز دوں گا۔“ ②

کلمۂ استغفار

جو شخص یہ (درج ذیل کلمہ) پڑھے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے خواہ وہ میدان جہاد سے فرار ہی ہوا ہو:

«اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ»

”میں اس اللہ سے مغفرت کا طلب گار ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ، قائم

① مسند أحمد :3/29-41 والمشكوٰة للألبانی :2/724

② جامع الترمذی، الدعوات، باب فی فضل التوبة والاستغفار، حدیث :3540

رکھنے والا ہے اور میں اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں درج ذیل دعا سوسو بار پڑھا کرتے تھے۔

«رَبِّ اغْفِرْ لِی وَتُبْ عَلَیَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ»

''اے میرے رب مجھے معاف فرما اور میری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو توبہ قبول کرنے والا معاف کرنے والا ہے۔''[2]

سید الاستغفار

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اسے صبح کے وقت صدق دل سے پڑھے اگر وہ شام سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ جنتی ہے اسی طرح جو شخص اسے رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنتی ہے۔''

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّی لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِی وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُلَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَأَبُوءُ، بِذَنْبِی فَاغْفِرْلِی إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ»

''اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے۔ میں تیرا عاجز بندہ ہوں اور میں تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد اور وعدے پر اپنی استطاعت کے مطابق قائم ہوں۔ میں نے جو خطائیں کی ہیں ان کے وبال سے تیری

[1] سنن أبی داود، الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث : 1517 و جامع الترمذی، الدعوات، باب دعاء الضعیف، حدیث: 3577

[2] سنن أبی داود، الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث : 1516 و جامع الترمذی، الدعوات، باب مایقول إذا قام من مجلسه، حدیث: 3434



پناہ چاہتا ہوں، تو نے مجھ پر جو احسانات کیے ہیں میں ان کا اقراری ہوں، اور مجھے اپنے گناہوں کا بھی اعتراف ہے۔ یااللہ! مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔''[1]

- اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میرے بندو! تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان۔'' ایک موحد کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ وہ مالک الملک (کائنات کا مالک) اور ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ) ہے۔
- اگر اگلے پچھلے سب لوگ نیک اور صالح ترین بن جائیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار و سلطنت میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ انسان جو کچھ کرتے ہیں اپنے لیے کرتے ہیں۔
- اسی طرح اگر ساری کائنات بدی پر اتر آئے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان ہے نہ اس کی سلطنت میں کوئی کمی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک یا بد ہونے سے مکمل طور پر بے پروا اور مستغنی ہے۔ الصمد اور الغنی اس کے اوصاف ہیں۔
- اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر ہر نعمت کے بے بہا خزانے ہیں جن میں کمی آتی ہے نہ آ سکتی ہے۔ نہ معلوم اللہ تعالیٰ کب سے اپنے بندوں پر اپنی نعمتیں نچھاور کر رہا ہے، ایک انسان کے لیے ان کا شمار کرنا ناممکن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُل لَّوْ كَانَ ٱلْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَـٰتِ رَبِّى لَنَفِدَ ٱلْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَـٰتُ رَبِّى وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾﴾

''کہہ دیجیے! اللہ تعالیٰ کی باتوں (نعمتوں) کو شمار کرنے اور لکھنے کے لیے اگر سمندر روشنائی ہو تو اللہ تعالیٰ کی باتیں (نعمتیں) تمام ہونے سے قبل سمندر ختم ہو جائے بلکہ

---

[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب أفضل الاستغفار، حدیث: 6306

اگر اتنی ہی روشنائی مزید ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔''[1]

ایک اور مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِى ٱلْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَٰمٌ وَٱلْبَحْرُ يَمُدُّهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَٰتُ ٱللَّهِ﴾

''اگر روئے زمین کے سارے درخت قلم ہوں اور سمندر کا پانی روشنائی ہو اور اس کے علاوہ مزید سات سمندر روشنائی کے ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں (علم اور حکمتیں) مکمل نہ ہوں گی۔''[2]

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن تَعُدُّوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحْصُوهَآ﴾

''اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَإِن مِّن شَىْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُهُۥ﴾

''ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔''[4]

صحیحین میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ نعمتوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو اور غور کرو کب سے زمین و آسمان پیدا کیے، اس وقت سے اب تک اس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔''[5]

---

(1) الکهف 109:18 (2) لقمان 27:31 (3) إبراهيم 34:14 (4) الحجر 21:15

(5) صحيح البخاری، التفسير، باب قوله: وكان عرشه على الماء، حديث: 4684 و صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على النفقة، حديث: 993



اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیش نظر حدیث میں بندوں کو اپنے استغنا کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: اگر ساری کائنات مل کر اپنی اپنی مرضی، خواہش اور ضرورت کے مطابق مانگے اور میں ہر ایک کو اس کی درخواست کے مطابق عطا کر دوں تو میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آئے گی جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لینے سے سمندر میں آتی ہے۔ یعنی معمولی کمی بھی نہیں ہوگی، کیونکہ سوئی سمندر میں سے کچھ کم نہیں کرتی۔

▪ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے بھلائی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور خسارے کی صورت میں خود انسان موردِ الزام ٹھہرتا ہے۔ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اس میں آدمی کا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا۔ اس لیے فرمایا: میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جنھیں میں محفوظ کر رہا ہوں، میں تمھیں ان اعمال کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو شخص اپنے اعمال کا نتیجہ اچھا پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جسے اچھا نتیجہ نہ ملے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے، کیونکہ وہ خود ذمہ دار ہے۔ کسی کا قصور نہیں۔



باب: ٢٥۔ فضل اللّٰہ تعالیٰ وسعة رحمته

اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمتیں

عَنْ أَبِی ذَرٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ نَاسًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالُوا لِلنَّبِیِّ ﷺ: یَارَسُولَ اللهِ! ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالأُجُورِ، یُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّی، وَیَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَیَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ، قَالَ: **«أَوَ لَیْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَّا تَصَّدَّقُونَ بِهِ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِیحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِیرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِیدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِیلَةٍ صَدَقَةً، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْیٌ عَنْ مُّنْكَرٍ صَدَقَةٌ، وَفِی بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ»** قَالُوا: یَارَسُولَ اللهِ! أَیَأْتِی أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَیَكُونُ لَهُ فِیهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: **«أَرَأَیْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِی حَرَامٍ، أَكَانَ عَلَیْهِ وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِی الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ»**

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے چند صحابہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! دولت مند لوگ تو اجر وثواب میں سبقت لے گئے کیونکہ وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال میں سے صدقہ بھی کرتے ہیں اور مال نہ ہونے کے سبب ہم صدقہ کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے تمھیں بھی صدقے کا سامان مہیا نہیں کیا۔ تمھارا ایک دفعہ ''سبحان اللّٰہ'' کہنا



صدقہ ہے۔ تمھارا ایک دفعہ "اللہ اکبر" کہنا صدقہ ہے۔ تمھارا ایک دفعہ "الحمدللہ" کہنا صدقہ ہے۔ تمھارا ایک دفعہ "لا إله إلا الله" کہنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ہم بستری کرنے میں بھی صدقہ کا ثواب ہے۔" صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرے تو اسے بھی ثواب ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "کیا خیال ہے اگر وہ اسے حرام جگہ استعمال کرے تو اسے گناہ نہ ہوگا۔ ایسے ہی حلال مقام پر استعمال کرنے پر اجر بھی ملے گا۔"[1]

لغوی تشریح: [نَاسًا] کچھ لوگ یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم [ذَهَبَ أَهْلُ الدثور بِالأجور] الدثور، دثر کی جمع ہے۔ دثر بہت سے مال کو کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مالداروں کو حصول ثواب کے تمام وسائل مہیا ہیں۔ [بِفُضُولِ أَمْوَالِهِم] "فضول" جمع ہے فضل کی، زائد از ضرورت چیز کو "فضل" کہتے ہیں۔ [تهليلة] لا إله إلا الله پڑھنا [بضع] با پر پیش اور ضاد پر سکون، شرم گاہ یا جماع [شهوته] اپنی لذت کو۔

فوائد: تشریح کے لیے حدیث نمبر 26 ملاحظہ فرمائیں۔



[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف، حدیث: 1006

باب:۲٦۔ الإصلاح بین الناس والعدل فیهم

ہر نیکی صدقہ ہے

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «**كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ**» قال: «**تَعْدِلُ بَيْنَ الاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِی دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ، صَدَقَةٌ**» قَالَ: «**وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الأَذٰی عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ**»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان پر ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔ سواری کے بارے میں کسی سے تعاون کرنا یعنی سواری پر سوار کرنا یا کسی کا سامان لاد کر اس کی مدد کرنا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ تو جو قدم نماز کے لیے اٹھائے گا صدقہ ہے۔ راستہ سے ایذا اور تکلیف دینے والی چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔''[1]

لغوی تشریح: [سُلَامٰی] اس کی جمع ''سلامیات'' آتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہتھیلی، انگلیوں اور ٹانگوں کی تمام ہڈیوں کو ''سلامی'' کہتے ہیں۔ یہاں اس سے جسم کی تمام ہڈیاں اور جوڑ مراد ہیں۔ [تَعدِلُ بَینَ اثنَینِ] تو دو جھگڑنے والوں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کرے۔ [اَلْكَلِمَةُ

[1] صحیح البخاری، الصلح، باب فضل الإصلاح بین الناس والعدل بینهم، حدیث: 2707 والجهاد، باب من أخذ بالركاب ونحوه، حدیث: 2989 و صحیح مسلم، الزكاة، باب بیان أن اسم الصدقة یقع علی كل نوع من المعروف، حدیث: 1009



الطَّيِّبَةُ] اچھی بات۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ذکر، اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دعا کرنا، سلام کرنا، اور دوسروں کی جائز تعریف کرنا مراد ہے۔ [خُطْوَةٍ] خا پر زبر ہو تو اس کا معنی ایک بار قدم اٹھانا۔ اور اگر خا پر پیش ہو تو اس سے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ مراد ہوتا ہے۔ [وَتُمِيطُ الأَذَى] جو چیز گزرنے والوں کو ایذا دیتی ہو، اسے راستہ سے ہٹائے تاکہ وہ اس کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔

فوائد: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نیکیوں کے حریص تھے اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہتے تھے۔ وہ نیک کام کرنے کے لیے مسلسل کوشاں رہتے تھے، اگر کسی وجہ سے کسی اچھے کام پر انھیں قدرت نہ ہوتی تو انھیں اس کا بہت ملال ہوتا تھا۔

نادار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اہلِ ثروت نیکیوں اور درجات میں ہم سے سبقت لے گئے۔ صوم و صلوٰۃ میں وہ ہمارے برابر ہیں۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی، ہم روزے رکھتے ہیں اور وہ بھی۔ البتہ وہ صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے ان عبادات کے ساتھ ساتھ مالی صدقہ بھی کرتے ہیں جو ہمارے بس میں نہیں۔ ان کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے صدقات کا سامان مہیا نہیں کیا۔ تمھیں ایک دفعہ ''سبحان اللہ'' کہنے پر صدقہ کا ثواب ملے گا، ایک دفعہ ''اللہ اکبر'' کہنے سے صدقہ کا ثواب ملے گا، ایک دفعہ ''الحمد للہ'' اور اسی طرح ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھنے سے صدقہ کا ثواب ہوگا۔ اس کے علاوہ تم امر بالمعروف کرو، یہ بھی صدقہ ہے۔ نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح کوئی زنا سے بچتے ہوئے اپنی منکوحہ سے ہم بستری کرے تو یہ بھی صدقہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صدقہ کے معنی و مفہوم کو بڑی وسعت دی ہے۔ نیکی کا کوئی بھی عمل جو حسن نیت سے کیا جائے اسے صدقہ کہا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے

ہر نیکی صدقہ ہے

ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ»

''ہر نیکی صدقہ ہے، تیرا مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی (صدقہ) ہے، اپنے ڈول سے کسی بھائی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی نیکی (صدقہ) ہے۔''[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ نے فرمایا:

«تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»

''تیرا مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے۔ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی راستہ بھولے کو راستہ دکھانا بھی صدقہ ہے۔ کسی نابینا کو سیدھی راہ پر چلانا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی وغیرہ اٹھا دینا بھی صدقہ ہے۔ تمھارا اپنے ڈول سے کسی بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔''[2]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ»

---

[1] جامع الترمذی، البر و الصلة، باب ماجاء فی طلاقة الوجه و حسن البشر، حدیث: 1970

[2] جامع الترمذی، البر و الصلة، باب ماجاء فی صنائع المعروف، حدیث: 1956



''انسان کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔''[1]

اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی شخص اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے تا کہ اسے جماعت کا ثواب ہو تو اس کا یہ عمل بھی صدقہ ہے۔ ایک دفعہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: ''کوئی ہے جو اس نمازی کے ساتھ مل کر نماز پڑھے اور اس عمل سے اس پر صدقہ کرے۔''[2]

«وَعَوْنُكَ الضَّعِيفَ بِفَضْلِ قُوَّتِكَ صَدَقَةٌ»

''تمھارا اپنی زائد از ضرورت خوراک سے کسی کمزور کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔''[3]

«وَبَيَانُكَ عَنِ الأَرْثَمِ صَدَقَةٌ»

''جو شخص اپنا مقصود و مدعا بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور تو اس کی طرف سے وضاحت و تبیین کر دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔''[4]

«إِنَّ سَلَامَكَ عَلَى عِبَادِ اللهِ صَدَقَةٌ»

''اللہ تعالیٰ کے بندوں کو سلام کہنا بھی صدقہ ہے۔''[5]

«وَأَنْتَ فِيكَ صَدَقَةٌ»

''مسلمان کا اپنے اوپر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔''[6]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

① جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في النفقة على الأهل، حديث: 1965

② سنن أبي داود، الصلاة، باب في الجمع في المسجد مرتين، حديث: 574 و سنن دارمي، حديث: 1375

③ مسند أحمد: 154/5 ④ مسند أحمد: 154/5 ⑤ مسند أحمد: 329/2

⑥ مسند أحمد: 154/5

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلَّا كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلَا يَرْزَؤُهُ أَحَدٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ»

''مسلمان جو چیز کاشت کرے، اس میں سے جو کچھ کھایا جائے وہ اس کاشت کرنے والے کے لیے صدقہ ہے جو اس سے چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ ہے۔ اس میں سے جو کچھ درندے کھا جائیں وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے۔ اس میں سے جو کچھ پرندے کھا جائیں وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے اور اسے اس سلسلہ میں جو بھی تکلیف یا نقصان پہنچے وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے۔''[1]

«مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَلَهُ مِنْهَا - يَعْنِي أَجْرًا-»

''جو شخص ویران اور بنجر زمین آباد کرے وہ اس کے حق میں اجر ہے۔''[2]

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«ما أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَوَلَدَكَ وَزَوْجَتَكَ وَخَادِمَكَ»

''تم جو خود کھاؤ، بیوی، بچوں اور خادم کو کھلاؤ وہ سب صدقہ ہے۔''[3]

«لَهُ بِكُلِّ صَلَاةٍ صَدَقَةٌ»

''مسلمان کو ہر نماز پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔''[4]

«وَصِيَامٌ صَدَقَةٌ»

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6016 و صحيح مسلم، المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، حديث: 1552

[2] مسند أحمد: 304/3 [3] مسند أحمد: 132/4

[4] سنن أبي داود، التطوع، باب صلاة الضحى، حديث: 1286



''مسلمان کو روزے پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔''[1]

«وَحَجٌّ صَدَقَةٌ»

''مسلمان کو حج کرنے پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔''[2]

ان تمام احادیث مبارکہ میں نبیٔ کریم ﷺ نے مختلف صالح اعمال کا نام لے لے کر انھیں صدقہ قرار دیا ہے۔ بہرحال مفہوم و مراد یہ ہے کہ نیکی کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ ہے اور عمل کرنے والے کو صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ البتہ صرف مالی صدقہ کرنے والا افضل ہے یا اللہ کا ذکر اور نیک اعمال کرنے والا؟ تو اس سلسلے میں ایک حدیث میں واضح طور پر آیا ہے کہ صرف مال خرچ کرنے والا افضل نہیں۔ بلکہ اس کے بالمقابل ذکر الٰہی کرنے والا افضل ہے۔

ہاں! البتہ اگر کوئی شخص ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ مال بھی خرچ کرے تو وہ سب سے افضل ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں سب سے افضل، پاکیزہ، درجات کو بلند کرنے والا، سونا چاندی خرچ کرنے سے افضل اور جہاد سے بھی افضل ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ضرور بتلایئے! تو آپ نے فرمایا: ''یہ عمل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔''[3]



---

① سنن أبی داود، التطوع، باب صلاۃ الضحی، حدیث: 1286

② سنن أبی داود، التطوع، باب صلاۃ الضحی، حدیث: 1286

③ جامع الترمذی، الدعوات، باب: 6، حدیث: 3377

باب:۲۷۔ البر و الإثم

نیکی اور گناہ کی پہچان

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: **«الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»**

وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: **«اسْتَفْتِ قَلْبَكَ، الْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ، وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ، وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ»**

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اصل نیکی ''حسن اخلاق'' ہے اور جو چیز تیرے دل میں کھٹکے اور تو چاہتا ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو وہ ''گناہ'' ہے۔''[1] اور حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نیکی کے متعلق پوچھنے آئے ہو کہ نیکی کیا ہے۔ میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے دل سے پوچھ لو جس کام پر انسان کا دل مطمئن ہو وہ نیکی ہے اور جو چیز دل میں کھٹکے اور اس کے متعلق سینہ میں تردد ہو، وہ گناہ ہے۔ خواہ لوگ

[1] صحیح مسلم، البر و الصلة، باب تفسیر البر والإثم، حدیث 2553



اس کے جواز کا فتویٰ ہی کیوں نہ دیں۔''[1]

لغوی تشریح: [اَلْبِرُّ] بڑی اور اصل نیکی۔ اس سے مراد ایسا کام ہے جو از روئے شریعت جائز اور واجب ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "البر" ایک جامع کلمہ ہے جو نیکی کے تمام افعال پر مشتمل ہے۔ [حُسْنُ الْخُلُقِ] اچھے اخلاق۔ مثلاً خندہ پیشانی سے پیش آنا، ایذا رسانی سے باز رہنا اور سخاوت کرنا وغیرہ۔ [اَلْإِثْمُ] گناہ۔ اس سے ہر وہ کام مراد ہے جس سے شارع نے منع کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ ''الاثم'' ایک جامع کلمہ ہے جو تمام برے افعال پر مشتمل ہے۔ [مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ] یعنی جو بات تیرے جی میں کھٹکے اور تیرے دل پر اثر انداز ہو [تَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ] جس پر دل مطمئن نہ ہو اور اس کے متعلق انشراح صدر نہ ہو۔ [وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ] خواہ لوگ، یعنی علماء تجھے فتویٰ دیتے رہیں کیونکہ علماء باطن کے بجائے ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں۔

فوائد: اس حدیث میں نبی ﷺ نے نیکی اور گناہ کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔

قرآن و حدیث میں نیکی اور گناہ کے متعلق واضح ہدایات اور احکام موجود ہیں۔ تاہم بعض اوقات بعض صورتیں ایسی بھی پیش آ جاتی ہیں کہ ان کے نیکی یا گناہ ہونے، جائز یا ناجائز ہونے کا فیصلہ واضح طور پر نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مومن ایسے مواقع پر ٹھٹھک جاتا ہے اور توقف

---

[1] أخرجه أحمد: 4/288 و الدارمي: 2/245 و أبو يعلى، حديث: 1586 یہ روایت دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے: ✱ زبیر اور ایوب کے درمیان انقطاع ہے، یعنی زبیر نے ایوب سے یہ حدیث نہیں سنی۔ ✱ زبیر کا ضعف ابن رجب ؒ نے دارقطنی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ منکر روایات بیان کرتا ہے اور اس کے نام کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر نے ان کا نام زبیر بن جوانشیر بصری بیان کیا ہے۔ تعجيل المنفعة: 1/545 مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جامع العلوم والحكم لابن رجب، ص: 94۔ امام بخاری اور ابن ابی حاتم ؒ نے اس کا ترجمہ ذکر کیا ہے لیکن دونوں نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا، التاريخ الكبير: 3/413۔ الجرح و التعديل: 3/584 ابن حبان نے اسے ثقات 6/333 میں ذکر کیا ہے جبکہ امام دولابی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: الكنى والأسماء: 2/1082

کر کے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر واضح صورتوں میں کس طرح فیصلہ کرے۔ رسول اکرم ﷺ نے پیش نظر حدیث میں اس سلسلے میں ایک عمدہ کسوٹی بیان فرمائی ہے کہ انسان اپنے دل سے پوچھے، اگر کسی امر کے متعلق دل میں کوئی کھٹکا نہ ہو تو وہ صحیح ہے۔ اسے اختیار کر لینا چاہیے اور اگر دل میں کوئی کھٹکا یا تردد ہو تو اس سے باز رہنا چاہیے جیسا کہ ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے:

«دَعْ ما يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ»

''جس کے بارے میں تردد یا شک ہو اسے چھوڑ کر وہ امر اختیار کرنا چاہیے جس کے متعلق کسی قسم کا تردد یا شک نہ ہو۔''

اسی حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ نیکی حسن خلق ہے۔ یہ گویا تفسیر بالمثال ہے۔ اور نیکی کے سلسلے میں ایک اہم اور افضل عمل بیان کیا گیا کہ حسن اخلاق بہت بڑی نیکی ہے۔ اسلام میں حسن اخلاق پر بڑا زور دیا گیا اور مسلمانوں کو اس کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤﴾

''اور بے شک آپ اعلیٰ اخلاقی قدروں پر فائز ہیں۔''[1]

اور آپ نے اپنا مقصد بعثت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ»

''مجھے اعلیٰ اور اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔''[2]

---

① القلم 68:4

② موطأ امام مالك، حسن الخلق، باب ما جاء في حسن الخلق ومسند أحمد من رواية أبي هريرة وإسناده حسن وانظر صحيح الجامع الصغير، حديث 2833



نبی ﷺ کے اس سلسلہ میں بہت سے ارشاداتِ عالیہ ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا»

''تم میں اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہوں۔''[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر مجھ سے فرمایا:

«اِتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»

''تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور گناہ سرزد ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لیا کرو، یہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ رکھو۔''[2]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا شَيْءٌ أَثْقَلَ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، فَإِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ»

''قیامت کے دن مومن کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کو فحش گو، بدکلام سے نفرت اور بغض ہے۔''[3]

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ»

---

① جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی الفحش والتفحش، حدیث: 1975

② جامع الترمذی، البر و الصلة، باب ماجاء فی معاشرة الناس، حدیث: 1987

③ جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث: 2002

''میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں ہوگا اور صاحب حسن اخلاق اپنے اس عمل کی وجہ سے نمازی اور روزے دار کے برابر درجے کو جا پہنچتا ہے۔''①

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: زیادہ تر لوگوں کو کون سی نیکی جنت میں لے جائے گی۔ آپ نے فرمایا:

«تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ ؟ قَالَ : الْفَمُ والْفَرْجُ»

''تقویٰ اور حسن اخلاق'' پھر پوچھا گیا: ''زیادہ تر لوگوں کو کونسی چیز جہنم میں لے جائے گی۔'' فرمایا: ''منہ اور شرمگاہ!۔''②

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر عمدہ اور بہترین اخلاق کے مالک تھے۔''③

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا»

''بے شک قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ میرے قریب اور میرا محبوب وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں گے۔''④

حسن اخلاق کے بارے میں کچھ احادیث، حدیث نمبر 18 کے تحت لکھی جا چکی ہیں۔

---

① جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، حديث :2003

② جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث :2015

③ جامع الترمذي، البرو الصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث :2015

④ جامع الترمذي، البر و الصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث :2018



اس کے بعد آپ نے گناہ کی وضاحت فرمائی کہ جو کام کرتے وقت دل میں کھٹکا یا تردد ہو اور انسان کی کوشش ہو کہ لوگوں کو اس کا پتہ نہ چلے، تو وہ گناہ ہے۔ چاہے لوگ اس کے جواز کا فتوٰی دیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ابتدائی طور پر کوئی کام کرتے ہوئے کھٹکا ہو تو وہ ناجائز، غلط اور گناہ ہے۔ یہ دل میں کھٹکنے والی بات صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن کے دل مومن ہیں۔ وہ برائیوں کے مریض نہیں اور ان کی فطرت بھی درست ہے اور گناہوں سے مسخ نہیں ہوئی۔ بد اور برے لوگوں کے لیے یہ اصول اور پہچان نہیں ہے۔



سنت سے تمسک اور بدعات سے اجتناب

عَنْ أَبِی نَجِیحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَوْعِظَةً بَلِیغَةً، وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُونُ فَقُلْنَا: یَارَسُولَ اللهِ! كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا، قَالَ: **«أُوصِیكُمْ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَیْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ یَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِی فَسَیَرَى اخْتِلَافًا كَثِیرًا، فَعَلَیْكُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ الْمَهْدِیِّینَ تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِیَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»**

سیدنا ابو نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک وعظ فرمایا: جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھیں بھیگ گئیں۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو گویا الوداع کہنے والے، یعنی چھوڑ کر جانے والے جیسا وعظ ہے۔ آپ ہمیں مزید وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ”میں تمھیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ اپنے حکام وامرا کے احکام سننا اور اطاعت کرنا خواہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی حاکم بن جائے۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ یقیناً بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں تم میری سنت اور ہدایت یافتہ



خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کو لازم پکڑنا اور اسے داڑھوں سے قابو کرنا۔ دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[1]

لغوی تشریح: [اَلْمَوْعِظَة] یہ الوعظ سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں نصیحت اور انجام کی یاد دہانی۔ [وَجِلَتْ] ڈر گئے [ذَرَفَتْ] بہہ پڑیں، ڈبڈبا آئیں۔ [مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ] اس وعظ میں حد سے زیادہ تخویف و تحذیر سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ گویا یہ تو چھوڑ کر جانے والے کا سا وعظ ہے کیونکہ جانے والا جس قدر تاکید کرتا ہے، کوئی دوسرا اتنی تاکید نہیں کرتا۔ [بِالنَّوَاجِذِ، جمع نَاجِذٍ] اس سے آخری داڑھ مراد ہے جس کو عقل داڑھ کہتے ہیں۔ اس میں سابقہ ذکر کردہ سنت پر شدت سے عمل کی تاکید ہے۔ [مُحْدَثَاتِ الْأُمُوْر] دین میں ایجاد کردہ نئے امور، [بِدْعَةٌ] لغوی طور پر اس کام کو کہتے ہیں جو نیا ہو اور اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر اور مثال نہ ہو۔ اور شرعاً بدعت سے ہر وہ کام مراد ہے جو شارع کے امر اور دلیل کے بغیر جاری کر دیا جائے۔ [ضَلَالَةٌ] گمراہی، حق سے دوری۔

فوائد: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رقت انگیز خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر ہمارے دل ڈر گئے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انھوں نے کہا: یہ تو چھوڑ کر جانے والے کا سا وعظ ہے لہٰذا آپ ہمیں کوئی وصیت ہی فرما دیں۔ تو آپ نے انھیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت فرمائی:

- تقویٰ
- اطاعتِ امیر
- اتباعِ سنت

[1] سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4607 و جامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، حديث: 2676

- اطاعت خلفائے راشدین
- بدعت کی مذمت اور اس سے احتراز۔

تقویٰ

اس کی وضاحت قبل ازیں حدیث نمبر 18 کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اطاعت امیر

اسلام میں امیر، حکمران اور خلیفہ کی اطاعت پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے کیونکہ امیر کی اطاعت کے بغیر مملکت کا نظام نہیں چل سکتا۔ مسلمانوں کا حکمران خواہ شکل وصورت کے لحاظ سے کیسا ہی ہو، رعایت اس کی شکل وصورت کی نہیں بلکہ اس کے منصب کی ہے۔ اس کی اطاعت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''[1]

اہل علم نے اس مقام پر ایک نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ [اَطِیْعُوا] کا حکم ہے اور [اُوْلِی الْاَمْر] کے ساتھ یہ لفظ موجود نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے جبکہ اولی الامر (حکمرانوں) کی اطاعت غیر مستقل اور مشروط ہے۔ یعنی وہ جب تک شرعی حدود کے اندر رہ کر حکم دیں تو ان کی اطاعت ضروری ہے اور اگر خلافِ شریعت حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ نبی ﷺ

---

[1] النسآء 4:59



نے فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔''[1]

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُّجَدَّعٌ، يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ فَاسْمَعُوا لَهُ، وَأَطِيعُوا»

''اگر تم پر کسی ناک کٹے غلام کو حاکم بنا دیا جائے اور وہ تم پر اللہ کی کتاب کے مطابق حکمرانی کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ»

''حاکم کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ تمھارا حاکم کوئی حبشی غلام ہو اور اس کا سر منقی (کے مانند چھوٹا سا) ہی کیوں نہ ہو۔''[3]

اگر حکمران شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے غیر شرعی اور غیر اسلامی حکم دے تو اس کی اطاعت ضروری نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»

''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت روا نہیں۔''[4]

---

① صحيح البخاری، الجهاد، باب يقاتل من وراء الإمام و يتقى به، حديث: 2957 وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية، حديث: 1835

② صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غير معصية، حديث: 1838

③ صحيح البخاری، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، حديث: 7142

④ صحيح بالشواهد، شرح السنة: 10/44 و انظر السلسلة الصحيحة للألبانی: 1/350

اتباعِ سُنّت

اتباع سنت اور اتباع رسول کے بارے میں حدیث نمبر 9 اور حدیث نمبر41 کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

اطاعتِ خلفائے راشدین

خلفاء، خلیفہ کی جمع ہے اور راشدین، راشد کی۔ راشد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کو پہچان کر اس پر اچھی طرح عامل بھی ہو، اہل اسلام کے ہاں عموماً خلفائے راشدین سے نبی ﷺ کے خلفائے اربعہ مراد ہیں۔ جنھیں آپ نے ''المھدیین'' (ہدایت یافتہ) قرار دیا ہے۔ لیکن بعض محققین کے نزدیک اس کا اطلاق عام ہے۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو بھی خلیفۂ راشد تصور کیا گیا ہے۔

چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص ان خلفائے کرام کی زندگیاں، سیرت نبوی کے قالب میں مکمل طور پر ڈھلی ہوئی تھیں، نبی ﷺ کی ہدایت ان کے رگ وریشے میں خوب سرایت کر چکی تھی، اس لیے آپ نے امت کو سنت خلفا کے اپنانے کی ہدایت فرمائی۔

بدعت کی مذمت اور اس سے احتراز

بدعت کے متعلق حدیث نمبر 5 میں تشریح ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

شرعی طور پر بدعت، دین میں ہر اس نئے ایجاد کردہ کام کو کہتے ہیں جس کا نبیٔ اکرم ﷺ کے دور میں وجود نہ ہو جبکہ اس کے کرنے میں کوئی مانع اور رکاوٹ بھی حائل نہ تھی مگر اس کے باوجود اسے خیر القرون میں نہ کیا گیا ہو۔





بھلائی کی راہیں

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ، قَالَ: **«لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ عَظِيْمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ: تَعْبُدُ اللّٰهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ، وَتَحُجُّ الْبَيْتَ»**، ثُمَّ قَالَ: **«أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ الصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ»** ثُمَّ تَلَا ﴿تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿يَعْمَلُونَ﴾ [السجدة: ١٦، ١٧] ثُمَّ قَالَ: **«أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟»** قُلْتُ: بَلٰى! يَارَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: **«رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ، وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ»** ثُمَّ قَالَ: **«أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ؟»** فَقُلْتُ: بَلٰى! يَارَسُولَ اللّٰهِ! **«فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ»** وَقَالَ: **«كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا»** قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: **«ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَامُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ أَوْ قَالَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ، إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ»**

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے کہا: یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے ایک انتہائی عظیم چیز کا سوال کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لیے آسان فرما دے اس کے لیے بلاشبہ بڑا آسان کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ بیت اللہ کا حج کرو۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تجھے نیکی کے دروازے نہ بتاؤں؟ روزہ (جہنم سے) ڈھال ہے۔ صدقہ گناہوں کو یوں مٹا ڈالتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور انسان کا رات کو نماز ادا کرنا.... پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ ''اہل ایمان کے پہلو (رات کو) بستر سے علیحدہ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو اس کے عذاب کے خوف اور رحمت کی امید کے ملے جلے جذبات و کیفیات سے پکارتے ہیں اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب ان کے کیے ہوئے اعمال کی جزا اور بدلہ ہوگا۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تجھے دین کی اصل (بنیاد) اس کا ستون اور اس کا بلند ترین عمل نہ بتا دوں؟۔'' میں نے کہا: یارسول اللہ! کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین کی اصل ''اسلام'' (یعنی مکمل اطاعت اور خود سپردگی) ہے۔ اس کا ستون ''نماز'' اور افضل و بلند عمل ''جہاد'' ہے۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں تجھے ان تمام اعمال کی بنیاد اور اصل کی خبر نہ دوں؟۔'' میں نے کہا: جی ہاں، یارسول اللہ! کیوں نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا: ''اسے قابو میں رکھو۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم جو کچھ بولتے ہیں کیا اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے، گم



پائے، لوگوں کو چہروں (نتھنوں) کے بل جہنم میں ان کی زبانوں کی کٹائی (کمائی) ہی تو لے جائے گی۔"[1]

لغوی تشریح: [اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ] روزہ جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ گناہوں سے تحفظ اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضی سے بچاؤ کی ڈھال ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ ﴾ "نیکیاں گناہوں کو مٹا ڈالتی ہیں۔"[2]

[حَتّٰی بَلَغَ یَعْمَلُوْنَ] یعنی سورۂ سجدہ کی دو آیتیں (16-17) تلاوت فرمائیں۔ [ذِرْوَۃُ سَنَامِہٖ] السنام، سین پر زبر۔ اونٹ کا کوہان [ذروۃ] چوٹی [ثَکِلَتْكَ اُمُّكَ] یہ بظاہر موت کی بددعا ہے مگر دراصل اس جملہ میں بددعا دینا مقصود نہیں بلکہ مخالف کو اس کی غفلت پر تنبیہ اور اس کی حالت پر تعجب کا اظہار ہے۔ [یَكُبُّ] گرائے گا [حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ] زبانوں کی کٹائی۔ یعنی زبانوں نے جو غلط الفاظ ادا کیے۔ "حصائد"، حصیدۃ کی جمع ہے۔ یعنی کاٹی ہوئی چیز۔ نبی ﷺ نے زبان کے حرام و ناجائز کلام کو کھیتی کی کٹائی سے اور زبان کو اس کے آلہ (درانتی) سے تشبیہ دی، جس سے کھیتی کاٹتے ہیں۔

فوائد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے۔ تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں چند بنیادی اعمال بتائے جن کی پابندی دخولِ جنت کی ضمانت ہے:

ارکان اسلام

آپ نے پہلے انھیں ارکان اسلام بتائے جو کہ درج ذیل ہیں: صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت

---

(1) جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، حدیث: 2616۔ و سنن ابن ماجہ، الفتن، باب کف اللسان فی الفتنۃ، حدیث: 3973 (2) ھود 114:11

کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز کی پابندی کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔

ابواب الخیر

اس کے بعد آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں ''ابواب الخیر'' یعنی نیکی کے دروازے نہ بتلاؤں۔ پھر آپ نے مندرجہ ذیل چیزوں کا ذکر فرمایا:

روزہ

آپ نے فرمایا روزہ ڈھال ہے۔ یعنی گناہ و معصیت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم سے بچانے والا ہے۔ احادیث میں روزے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ صامَ رَمَضانَ إِيمانًا ، وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جو شخص بحالت ایمان، احتساب (حصول ثواب) کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے، اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔''[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ روزہ دار کو جہنم سے ستر برس کی مسافت تک دور کر دیتا ہے۔[2]

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ کو (جہنم سے) ڈھال قرار دیا ہے۔

---

(1) صحيح البخاري، الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، حديث : 38 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، حديث: 760

(2) صحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام في سبيل الله ...... حديث : 1153



صدقہ

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صدقے کی فضیلت بیان فرمائی کہ اس سے گناہ یوں مٹ جاتے ہیں۔ جیسے پانی سے آگ بجھ جاتی ہے۔

قیام اللیل

اس کے بعد آپ نے قیام اللیل کا ذکر فرمایا کہ یہ بھی نیکی کا ایک دروازہ ہے۔ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں بندے کے انتہائی قریب ہوتا ہے تم اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں میں سے ہو سکتے ہو تو اس کی کوشش کرو۔''[1]

آپ نے ان تین چیزوں کو نیکی کے دروازے قرار دیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: کیا میں تمھیں دین کی اصل (بنیاد) اس کا ستون اور اس کی چوٹی، یعنی اعلیٰ عمل نہ بتاؤں۔ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! ضرور فرمائیں تو آپ نے فرمایا: ''دین کی اصل (بنیاد) اسلام ہے۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُۗ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی دین، اسلام ہے۔''[2]

اور پھر آپ نے دین کا ستون نماز کو اور افضل عمل جہاد کو قرار دیا۔

حفاظت زبان

سب سے آخر میں نبی اکرم ﷺ نے زبان کی حفاظت کی تاکید فرمائی کہ زبان سے

① جامع الترمذی، الدعوات، باب فی دعاء الضعیف، حدیث: 3579 ② آل عمران 3:19

صادر شدہ کلمات ہی انسان کی نجات یا ہلاکت پر منتج ہوتے ہیں اور بہت سارے لوگوں کو جہنم میں زبان ہی کی وجہ سے بھیجا جائے گا کیونکہ جیسے درانتی کاٹتے وقت خشک اور تر میں امتیاز نہیں کرتی، اسی طرح بعض لوگوں کی زبان بولتے وقت اچھی اور بُری بات میں تمیز نہیں کرتی۔ اسی لیے زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے۔





باب: ۳۰۔ حدود اللہ تعالیٰ وحرماتہ

حدود اللہ کی اہمیت

عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ جُرْثُومِ بْنِ نَاشِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «**إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا**»

سیدنا ابوثعلبہ خشنی جُرثوم بن ناشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کردیے ہیں، انھیں ضائع مت کرو اور اس نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور اس نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے، ان چیزوں کے قریب نہ جاؤ۔ ان کی حرمت پامال نہ کرو۔ اور اس نے تم پر شفقت فرماتے ہوئے بعض چیزوں کے متعلق عمداً سکوت فرمایا ہے ان کے متعلق تم بحث میں نہ پڑو۔“[1]

① سنن الدار قطنی: 4/183,184 والسنن الکبری للبیھقی 10/12-13 یہ حدیث مکحول عن ابی ثعلبہ کے طریق سے مروی ہے اور دو علتوں کی بنا پر ضعیف ہے: (1) مکحول اور ابوثعلبہ کے درمیان انقطاع ہے یعنی مکحول کا ابوثعلبہ سے سماع ثابت نہیں۔ جیسا کہ ابومسہر دمشقی، حافظ ابونعیم اور دیگر ائمہ کا قول ہے، اور اگر سماع تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی یہ حدیث ضعیف ہی قرار پائے گی کیونکہ مکحول مدلس راوی ہے اور زیر بحث روایت میں تحدیث یا سماع کی تصریح بھی نہیں بلکہ اس نے بصیغہ عن روایت کیا ہے۔ (2) اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں بھی اختلاف ہے یعنی ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے یا خود ان کا اپنا قول ہے۔ اس لیے کہ بعض نے بطریق مکحول، ابوثعلبہ سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ جبکہ امام دارقطنی کے نزدیک مرفوع ہونا درست اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: شرح الأربعین، جامع العلوم والحکم لابن رجب: 2/150، تھذیب التھذیب: 10/258، مشکوٰۃ للألبانی: 1/69 وغایۃ المرام للألبانی، حدیث: 4

لغوی تشریح: [فَرَائِضَ] اس نے کچھ چیزوں کو واجب اور ان پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ [فَلَا تُضَيِّعُوهَا] انھیں ترک کر کے یا ان کے بارے میں اس حد تک غفلت کر کے کہ ان کا وقت نکل جائے، انھیں ضائع نہ کرو۔ [وَحَدَّ حُدُودًا] لُغَةً ''حد'' کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ اور شرعاً حد کا اطلاق اس سزا پر ہوتا ہے جو لوگوں کو گناہوں سے روکنے کے لیے شارع کی طرف سے مقرر ہو۔ [فَلَا تَنْتَهِكُوهَا] یعنی انھیں استعمال نہ کرو اور ان کے قریب نہ جاؤ، انھیں توڑو نہیں۔

فوائد: یہ حدیث بڑی جامع اور مختصر ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے شرعی احکام کی چند اقسام ذکر فرمائی ہیں۔

فرائض

آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق شرعی احکام کی ایک قسم فرائض ہے۔ فرائض، فریضہ کی جمع ہے۔ فرض یا فریضہ ان احکام کو کہتے ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے دیا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِى فَرَضَ عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ﴾

''بے شک جس نے آپ پر قرآن کے احکام کو فرض کیا ہے۔''[1]

یعنی ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ﴾

''اللہ تعالیٰ نے تم پر تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔''[2]

قرآن مجید میں فریضہ بمعنی ''مہر'' بھی استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے:

---

[1] القصص 85:28 [2] التحریم 2:66



﴿وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾

''اورتم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو۔''[1]

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى ٱلْحَجِّ﴾

''جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو لازم کرے تو وہ اختلاط بالنساء، شہوت انگیز حرکت، فسق اور جدال سے بچ کر رہے۔''[2]

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِ﴾

''(صدقات، زکوٰۃ و خیرات فلاں فلاں کا حق ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور فرض ہے۔''[3]

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عامل کو خط لکھا تو فرمایا:

«هٰذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِى فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِينَ»

''یہ مقدار فریضۂ زکوٰۃ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔''[4]

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ سب فرائض ہیں۔ فرائض کی پابندی بڑی لازم اور ضروری ہے۔ فرائض ترک کرنے سے آدمی گناہ گار اور فرائض کا انکار یا استخفاف کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ فرض کو واجب بھی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات فرض اور واجب میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

① البقرة 237:2 ② البقرة 197:2 ③ التوبة 60:9

④ صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، حديث: 1454

جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو وہ فرض ہے اور جس کا حکم رسول اللہ ﷺ دیں وہ واجب ہے۔ یعنی جس حکم کی دلیل قطعی ہو وہ فرض ہے اور جس کی دلیل ظنی ہو وہ واجب ہے، حالانکہ شریعت میں ایسی کوئی تفریق نہیں۔ نبی ﷺ نے جو حکم دیا اس کی پابندی بھی از حد ضروری ہے۔ مثلاً آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«وَاعْفُوا اللِّحٰى»

''ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔''[1]

چونکہ یہ آپ کا حکم ہے لہٰذا یہ فرض ہے اور ڈاڑھی رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا فرائض اور واجبات دونوں کی اہمیت مسلم ہے۔ جن امور کا حکم کتاب و سنت میں وارد ہو، وہ فرائض ہیں۔ فرائض میں کمی بیشی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ فرائض کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انھیں ضائع نہ کرو۔

حدود

اس حدیث کے مطابق شرعی احکام کی دوسری قسم حدود ہے۔ حدود، حد کی جمع ہے۔ حد رکاوٹ کو کہتے ہیں۔ مثلاً [حد الدار] مکان کی حد یعنی دیوار، حد ممنوعہ چیز کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا﴾

''یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز مت کرو۔''[2]

قتل، چوری، شراب نوشی، زنا، جادوگری، ان جرائم کا مرتکب جس سزا کا موجب ہوتا ہے

[1] صحیح البخاری، اللباس، باب اعفاء اللحی، حدیث: 5893

[2] البقرۃ 229:2



اسے بھی ''حد'' کہتے ہیں۔ یعنی شریعت کی مقرر کردہ سزا کو حد کہا جاتا ہے۔

محرمات

اس حدیث کی رو سے شرعی احکام کی ایک قسم محرمات ہیں۔ یعنی وہ امور جنھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دے کر لوگوں کو اس سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةُ وَٱلدَّمُ وَلَحْمُ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ ٱللَّهِ بِهِۦ وَٱلْمُنْخَنِقَةُ وَٱلْمَوْقُوذَةُ وَٱلْمُتَرَدِّيَةُ وَٱلنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ ٱلسَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى ٱلنُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا۟ بِٱلْأَزْلَٰمِ﴾

''مرا ہوا جانور، بہتا ہوا خون، سور کا گوشت، اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے، اور جو چوٹ لگنے سے مر جائے، اور جو گر کر مر جائے، اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب جانور تمھارے لیے حرام ہیں۔ اسی طرح جس جانور کو درندے پھاڑ کھائیں مگر یہ کہ تم اسے اس کے مر جانے سے قبل ذبح کر لو اور اسی طرح جو جانور تھان (مزار وغیرہ) پر ذبح کیا جائے (وہ بھی حرام ہے) اور تیروں سے قسمت کے احوال معلوم کرنا بھی تمھارے لیے حرام ہے۔''[1]

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ ان رشتوں کو بھی قرآنی اصطلاح میں حرام کہا گیا ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِىٓ أَرْضَعْنَكُمْ

[1] المائدة 3:5

وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِى فِى حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِى دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا۟ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا۟ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ﴾

''اور تم پر تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں ، بھانجیاں، تمھاری رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں، ساسیں اور تمھاری مدخولہ عورت کی لڑکیاں جو تمھاری زیر تربیت و کفالت ہیں (اگر عورت غیر مدخولہ ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں) اور تمھارے بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہے۔ ہاں! جو اس سے قبل ہو چکا ہے وہ معاف ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے اور اسی طرح شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں البتہ لونڈیاں حلال ہیں۔''[1]

﴿وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰا۟ ﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔''[2]

حدود اللہ کی پابندی بھی از حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حد سے تجاوز کر جانے کو ظلم سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾

''جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔''[3]

﴿وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ﴾

(1) النساء 4:23-24 (2) البقرة 2:275 (3) البقرة 2:229



''جو اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کرے، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''[1]

حدود کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں، پس ان سے تجاوز نہ کرو۔'' یہی بات قرآن کریم میں یوں بیان فرمائی گئی ہے:

﴿وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾﴾

''حد سے نہ گزرو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

مسکوت عنہا

اس حدیث میں احکام کی چوتھی قسم ''مسکوت عنہا'' بیان کی گئی ہے۔ یعنی ایسے امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازراہِ لطف و کرم خاموشی اختیار کی۔ اس کے متعلق بھول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرما دیا اسی پر خاموش رہنا چاہیے۔ مزید کریدنا اور بال کی کھال اتارنا درست نہیں، وہ سب مباح اور حلال ہیں، خواہ مخواہ اشکال پیدا کرنا اور دوسرے کا محض امتحان لینے کے لیے سوال پر سوال کرتے چلے جانا مذموم ہے، البتہ کسی مسئلے کی توضیح اور علم میں اضافہ کی نیت سے سوال کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ صحابہ کرام مختلف مواقع پر نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر درپیش مسائل پیش کر کے ان کا حل دریافت کر لیا کرتے تھے۔

ایک دن نبی ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر بیت اللہ کا حج فرض کر دیا ہے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا: اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا ہر سال۔ آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: میں اگر ہاں کر دیتا تو یہ ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم عمل نہ کر پاتے۔''[3]

---

① الطلاق 1:65 ② المائدۃ 87:5

③ سنن أبي داود، المناسك، باب فرض الحج، حديث :1721 و مسند أحمد :255/1

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

«ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ»

''میں تمھیں جس امر میں جہاں چھوڑ دوں، مجھے وہیں رہنے دیا کرو۔ مزید پوچھ گچھ نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے سوالات اور ان سے اختلاف ہی کے سبب ہلاک ہوئے تھے۔''[1]



[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، حديث: 2



باب: ٣١۔ حقيقة الزهد و ثمراته

زہد کی حقیقت اور اُس کے فوائد

عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ، إِذَا عَمِلْتُهُ، أَحَبَّنِيَ اللهُ، وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ. فَقَالَ: **«ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا، يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ، يُحِبَّكَ النَّاسُ»**

سیدنا ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے کہ جب اسے بجا لاؤں تو اللہ تعالیٰ اور تمام لوگ مجھ سے محبت کریں۔ آپ نے فرمایا: ''دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز رہو جاؤ، لوگ تم سے محبت کریں گے۔''[1]

لغوی تشریح: [أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ] اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرے۔ [وَأَحَبَّنِي النَّاسُ] لوگ مجھ سے محبت کریں۔ [ازْهَدْ] زہد کا لغوی معنی: کسی چیز کو حقیر جانتے ہوئے اس سے اعراض کرنا۔ اور شرعاً جس چیز کا حلال اور جائز ہونا یقینی ہو اسے بقدر ضرورت حاصل کرنا ''زہد'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے زہد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: حلال کو اپنے اوپر حرام کر لینا یا

[1] سنن ابن ماجه، الزهد، باب الزهد في الدنيا، حديث: 4102 والمستدرك للحاكم: 313/4 واللفظ له.

مال کو ضائع کرنا زہد نہیں بلکہ حقیقی زہد یہ ہے کہ اپنے وسائل کے بجائے اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور یقین کیا جائے۔ [یُحِبَّكَ النَّاسُ] چونکہ دنیا لوگوں کی محبوب اور دل پسندیدہ ہے، لہٰذا جب تو ان کی پسندیدہ اور محبوب چیز سے اعراض کرے گا، وہ تجھ سے محبت کریں گے۔ کیونکہ جب انسان کسی کے ساتھ اس کی پسندیدہ چیز میں شریک نہ ہو تو وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: انسان لوگوں کی نظروں میں اس وقت تک معزز رہتا ہے جب تک ان کے اموال کا لالچی نہ ہو۔

فوائد: اس حدیث میں نبی ﷺ نے زہد کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو دنیا ہی میں مصروف کر لے، وہ صرف دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے اور آخرت کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو دنیا کی زیب و زینت میں الجھا نہیں لینا چاہیے۔ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور آخرت کی کامیابی کا حصول ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾

''میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''[1]

دنیا اور دنیا کا ساز و سامان اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی مذموم بلکہ ملعون ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَّا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالَاهُ، وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ»

''یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون (مذموم) ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ذریعہ ہو اور سوائے عالم اور متعلم کے۔''[2]

---

[1] الذاریات 56:51

[2] جامع الترمذی، الزھد، باب : إن الدنیا ملعونة، حدیث : 2322 و سنن ابن ماجه، الزھد، باب مثال الدنیا، حدیث : 4112

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے اور موازنہ کرے کہ اس کی انگلی کو جس قدر پانی لگا اسے سمندر سے کیا نسبت ہے۔''[1]

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ»

''اگر اس دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔''[2]

دنیا تو محض کھیل کود کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا هَٰذِهِ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ ٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ لَهِىَ ٱلْحَيَوَانُ﴾

''دنیا کی زندگی تو محض کھیل کود ہے اور آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے۔''[3]

اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اور دولت کی کچھ قدر ہوتی تو انبیائے کرام کو ضرور زیادہ دولت ملتی۔ مگر ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر انبیائے کرام کی زندگی فقر و غربت میں بسر ہوئی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تنگدستی میں زندگی بسر کی آپ کے پاس دولت جمع نہ ہو سکی۔ اگر کبھی مال غنیمت کی صورت میں کچھ مال آ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً تقسیم فرما دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ خوراک کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ جو شخص اپنے آپ کو دنیا میں مصروف کر لیتا ہے وہ گویا دنیا ہی کا

[1] جامع الترمذی، الزھد، باب ما الدنیا فی الآخرة ......، حدیث: 2323

[2] جامع الترمذی، الزھد، باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ عزّ و جلّ، حدیث: 2320

[3] العنکبوت 64:29

بندہ بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«تعس عَبْدُ الدّینارِ والدّرْهَمِ»

''درہم ودینار کا بندہ تباہ ہوگیا۔''[1]

دنیا میں انسان کو چاہیے کہ اپنے سے برتر کے بجائے اپنے سے کم تر کی طرف دیکھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْیا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔''[2]

جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو جائے، اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کی محبت اور لوگوں کی محبت نصیب ہو جاتی ہے۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں یہی بات ارشاد فرمائی، سائل نے کہا: آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اور تمام لوگ مجھ سے محبت کریں۔ تو آپ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔



[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب مایُتقی من فتنة المال، حدیث: 6435

[2] صحیح مسلم، الزهد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر، حدیث: 2956



باب:۳۲۔ نفي الضرر في الإسلام

اسلام میں ضرر رسانی کی ممانعت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ سَعْدِ بْنِ سِنَانِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «**لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ**»

سیدنا ابوسعید سعد بن سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''کسی کو ضرر پہنچاؤ نہ ضرر کا انتقام لو۔''

یہ حدیث حسن ہے۔ اسے امام ابن ماجہ اور دارقطنی وغیرہ نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے البتہ امام مالک نے اس حدیث کو ''موطأ'' میں بطریق عمرو بن یحییٰ عن ابیہ عن النبی ﷺ روایت کیا ہے اور حضرت ابوسعید کا واسطہ ترک کر دیا ہے۔ اس حدیث کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ان تمام کے ملنے سے اسے تقویت ملتی ہے۔ [1]

لغوی تشریح: [لَا ضَرَرَ] یہ ضَرَّۃٌ اور ضَارَّۃٌ سے مشتق ہے ضُر نفع کی ضد ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اور کسی کا مطلقاً کوئی نقصان نہ کرو۔ [وَلَا ضِرَارَ] کسی کو انتقاماً ضرر نہ پہنچاؤ۔

فوائد: دین اسلام میں حسن معاشرت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس کی ازحد تلقین کی گئی ہے۔ نبی ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے:

---

① سنن الدارقطني : 3/77و4/228 و سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه مايضر بجاره، لكن من رواية عبادة بن الصامت وابن عباس، حديث :2341,2340 وموطأ امام مالك :745/2

اسلام میں ضرر رسانی کی ممانعت

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''①

یعنی وہ کسی کو دکھ اور تکلیف نہ پہنچائے۔ ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ شخص ایمان دار نہیں جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہوں۔''②

اس حدیث میں بھی اس مفہوم کو باختلاف الفاظ یوں بیان فرمایا: اسلام میں کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں اور اگر کسی نے ضرر پہنچایا ہو تو اس کے بدلے میں بھی ضرر نہیں پہنچانا چاہیے۔ مسلمانوں کو دوسرے پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ زیادتی کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد وقتال کے مواقع پر بھی اصولوں کو مدنظر رکھنے کا حکم ہے، اس صورت میں بھی زیادتی کی اجازت نہیں دی گئی۔ فرمایا:

﴿وَقَٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾﴾

''تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''③

مزید فرمایا

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا۟﴾

''جن لوگوں نے تمھیں مسجد حرام سے روکا ان کی دشمنی تمھیں زیادتی پر نہ اکسائے۔''④

---

① صحیح البخاری، الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، حدیث: 10

② صحیح البخاری، الأدب، باب إثم من لا یأمن جاره بوائقه، حدیث: 6016

③ البقرة 2:190 ④ المائدة 2:5



اگر کسی نے زیادتی کی ہو اور انسان معاف کرنے کے بجائے بدلہ لینے ہی پر مصر ہو تو اسے اسی قدر بدلہ لینے کا حق ہے جس قدر فریق مخالف نے زیادتی کی ہو۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾

''جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی۔''[1]

ایک دفعہ کچھ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کی عادت تھی کہ وہ مسلمانوں سے ملتے تو السلام علیکم کہنے کے بجائے السام علیکم کہتے تھے اور یہ بددعا کا کلمہ ہے۔ انھوں نے حسب عادت السام علیکم کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمہ سنا تو غضبناک ہوگئیں اور جواباً کہا بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ تم ہم پر موت کی بددعا کرتے ہو، ہم پر نہیں'' بلکہ تم پر موت آئے اور لعنت ہو۔''

دوسری روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا السّامُ عليكُم ولعنكُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْكُمْ ''تم پر موت آئے، تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔''

حالانکہ اس موقع پر یہود کی زیادتی تھی اس کے باوجود نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کلمات کہنے سے روک دیا اور تنبیہ فرمائی

«مَهْ: يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ»

''ٹھہر جا عائشہ! ایسے بالکل نہ کہو، اللہ تعالیٰ بدکلامی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔''[2]

ہماری دعا ان کے حق میں مقبول اور ان کی بددعا ہمارے حق میں مقبول نہیں۔

بعض اوقات کچھ لوگ کسی وجہ سے اپنی بیوی کو تنگ کرتے ہیں۔ اسے نہ تو بیوی کی حیثیت

---

① البقرة 2:194

② صحیح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، حديث 2165

سے رکھتے ہیں اور نہ طلاق دیتے ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ سراسر ظلم اور زیادتی کا ہے، چنانچہ اس سے منع فرمایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا﴾

''پس تم انھیں صحیح طور پر بساؤ یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرو، انھیں ضرر پہنچانے اور زیادتی کرنے کے لیے پابند نہ رکھو۔''[1]

اسی طرح کسی کی وفات کے بعد اس کی جائداد تقسیم کرتے وقت کسی کو ضرر پہنچانے کی خاطر اس کے مقررہ حصے میں کمی کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ﴾

''(میت کی جائداد) اس کی وصیت کو پورا کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد تقسیم کی جائے اور کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔''[2]

اور اگر مرنے والے نے کوئی خلاف شرع وصیت کر دی ہو یا وہ عمداً کسی وارث کے حصہ میں کمی کرنے اور کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر وصیت کر جائے تو یہ بھی ناجائز ہے۔ لوگوں کو ظلم اور زیادتی سے روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«مَنْ ضَارَّ أَضَرَّ اللّٰهُ بِهِ، وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ»

''جو شخص کسی کو ضرر پہنچائے، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی کو مشقت میں ڈالے، اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔''[3]

---

[1] البقرة 2:231 [2] النساء 4:12

[3] سنن أبي داود، القضاء، باب في القضاء، حديث 3635 وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الخيانة والغش، حديث 1940 و سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه مايضر بجاره، حديث 2342

ضرر اور ضرار کی حرمت کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشِ نظر حدیث میں یہ اسلامی اصول بیان فرمایا ہے جس سے فقہا نے بہت سی جزئیات کا استنباط کیا ہے۔



اسلامی نظام عدل کے بنیادی خدوخال

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ:

«لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ، لَادَّعٰى رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَّدِمَاءَهُمْ، وَلٰكِنَّ الْبَيِّـنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ»

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر لوگوں کو ان کے دعویٰ کے مطابق (بلاتحقیق) دے دیا جائے تو لوگ دوسروں کے اموال اور خون پر دعوے کرنے لگیں، لہٰذا اصول یہ ہے کہ مدعی ثبوت پیش کرے اور مدعا علیہ اگر انکاری ہو تو قسم اٹھائے۔''[1]

لغوی تشریح [اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ] یعنی دعویٰ کو واضح دلائل سے ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے کیونکہ وہ ظاہر کے خلاف دعویٰ کر رہا ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ لوگ ذمہ سے بری ہیں جب تک کہ دعوے کو مدلل طور پر ثابت نہ کیا جائے۔ [وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ أَنْکَرَ] یعنی مدعا علیہ اپنی صفائی میں قسم اٹھائے۔ اس کی قسم قبول کی جائے گی کیونکہ اصل اصول بری الذمہ ہونا ہے۔

فوائد یہ حدیث شریعت کے بنیادی قواعد میں سے ہے اور عدالتی معاملات میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں انسانوں کے باہمی تنازعات کے حل کے لیے ایک دائمی اصول ذکر فرمایا ہے کہ اگر جج یا قاضی محض دعویٰ کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ

---

[1] السنن الکبرٰی للبیهقی 252/10



صادر کرنے لگے تو بہت سے لوگ دوسروں کے مال اور خون کے دعوے دائر کر دیں گے۔ اس لیے اصول یہ ہے کہ دلیل و برہان کے بغیر کسی کا دعوٰی قبول نہیں۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح اسلام کا نظامِ عدالت بھی ہر لحاظ سے کامل و اکمل اور قرینِ عدل و انصاف ہے۔

اسلامی نظامِ عدالت میں حاکم و محکوم، شاہ و گدا اور امیر و غریب وغیرہ کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اسلامی قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ عدالتی معاملات میں شرعی قواعد و ضوابط ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعوی کے اثبات میں گواہ پیش کرے اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعا علیہ اس کے دعوے کی تصدیق نہ کرتا ہو تو وہ مدعی کو جھوٹا اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے حلف اٹھائے اور مدعی کے دعوے کو باطل کرے۔ علمائے سلف و خلف سب اسی اصول کے قائل ہیں۔ باہمی تنازعات و اختلافات کو حل کرنے کے لیے یہ حدیث اساس اور بنیاد ہے۔

اس حدیث سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ کسی چیز پر کسی انسان کے محض دعوی کر دینے کی وجہ سے وہ چیز اس کی ملکیت متصور نہ ہوگی اور نہ اسے دی جائے گی بلکہ اسے اپنا دعوی ثابت کرنے کے لیے ثبوت مہیا کرنا ہوگا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی سچا، دیانت دار، متقی یا پرہیزگار ہو۔ اگر مدعی اپنے دعوٰی کے اثبات میں ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم اٹھا کر اپنا حق ثابت کرے گا۔

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ چوری ہوگئی۔ وہ ایک یہودی کے ہاں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کے خلاف قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زرہ کی ملکیت کا ثبوت مانگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ اور غلام قنبر کو بطور گواہ پیش کیا۔ قاضی نے کہا! بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہیں، آپ کوئی اور ثبوت پیش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی دوسرا ثبوت پیش

نہ کر سکے، چنانچہ قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشِ نظر حدیث میں فرمایا کہ اگر لوگوں کے دعوے کی بنیاد پر بلا ثبوت ان کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا جائے تو لوگ بلا وجہ دوسروں کے مال اور خون کے دعوے کرنے لگیں گے، معاشرتی نظام تہہ و بالا ہو جائے گا اور لوگ امن وسکون سے نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ اس شرارت بازی کے انسداد کی خاطر اسلام نے مدعی پر گواہ یا واضح ثبوت پیش کرنا لازم ٹھہرایا ہے۔ اور گواہوں یا ثبوت کی عدم دستیابی اور مدعا علیہ کے انکار کی صورت میں مدعا علیہ سے حلف لینا مقرر کیا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نظامِ عدالت کس قدر مبنی بر عدل ہے۔





باب ٣٤- إزالة المنكر فريضةٌ إسلامية

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک اسلامی فریضہ

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ''تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدلے، اگر اس کی استطاعت نہ ہوتو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو دل سے (برا جانے) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''[1]

لغوی تشریح [مَنْ رَأَى] جو دیکھے [مُنْكَرًا] واجب کا ترک یا حرام کا ارتکاب، وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اسے منکر (برائی) کہتے ہیں۔ [فَلْيُغَيِّرْهُ] اسے بدلے۔ یہ شرعاً واجب ہے اگر اس کی خبر بہت سے لوگوں کو ہوتو یہ عمل فرض کفایہ ہے ورنہ فرض عین۔ [أَضْعَفُ الْإِيمَانِ] ثواب اور درجہ کے لحاظ سے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

فوائد اس میں رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کے ہر فرد کو خطاب کرتے ہوئے اس کی ذمہ داری بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شخص برا کام ہوتا دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ یعنی طاقت سے بدل دے۔ یعنی لوگوں کو اس برائی سے روکے، اگر اسے اس قدر استطاعت نہ ہوتو

---

(1) صحيح مسلم، الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، حديث 49

پھر زبان سے اسے روکنے کی کوشش ضرور کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کم از کم اس برائی کو اپنے دل میں ضرور بُرا جانے، البتہ یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر فرد کا فریضہ ہے۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ امت میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو یہ کام سرانجام دیتی رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، اور یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔''[1]

اس آیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت وفضیلت کا خوب پتہ چلتا ہے کہ امت میں اس عمل کو انجام دینے والے گروہ کا موجود رہنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ نیز وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہونے والے ہیں جو یہ کام کریں گے۔ امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اور وصف یہ بھی ہے کہ یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾

''تم ایک بہترین امت ہو جسے لوگوں کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو۔''[2]

یہ عمل اس لیے بھی فضیلت واہمیت والا ہے کہ سید الاولین والآخرین سید البشر حضرت محمد

---

(1) آل عمران 104:3 (2) آل عمران 110:3



رسول اللہ ﷺ کا منصب بھی یہی تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے

﴿ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾

''یہ نبی لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔''[1]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اہل ایمان کا یہی وصف بیان فرمایا ہے

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں یہ اچھے کام کرنے کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔''[2]

یہ عمل اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ مسلمان حکومت اور حکمران کے بنیادی فرائض اور ذمہ داریوں میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّـٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَـٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾ ﴾

''ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں دسترس دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں، زکوٰۃ ادا کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور سب امور کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔''[3]

ہر مسلمان بنیادی طور پر مبلغ ہے۔ اس کے پاس علم تھوڑا ہو یا زیادہ، وہ اسے دوسروں تک

① الأعراف 157:7 ② التوبة 71:9 ③ الحج 41:22

پہنچانے اور دوسروں کی طرف منتقل کرنے پر مامور ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے

«بَلِّغُوا عَنِّی وَلَوْ آیَةً»

''مجھ سے سن کر آگے دوسروں تک پہنچا دو، خواہ وہ ایک ہی آیت (حکم) ہو۔''[1]

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے صحابۂ کرام کے جم غفیر سے خطاب کیا تو فرمایا

«لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»

''(تم میں سے) جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ احکام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف علماء، خطبا اور واعظین ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر مسلمان کو اپنی ہمت، علم اور استطاعت کے مطابق تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہنا چاہیے، کوئی شخص عمل کرے یا نہ کرے، قبول کرے یا نہ کرے، تبلیغ کرنے والے کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص برا کام ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے تبدیل کرے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکے، اس کی مذمت کرے، برا بھلا کہے تاکہ وہ شخص اس برائی سے باز آجائے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم اس گناہ کو دل سے برا تصور کرے اور اسے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور دل میں عہد رکھے کہ جب بھی قدرت ہوئی، اسے زبان اور ہاتھ سے روکنے کی کوشش کروں گا۔ یہ تیسری صورت ضعیف ترین ایمان کی علامت ہے۔ پہلی دونوں صورتیں اعلیٰ و افضل ہیں۔

بعض لوگ خود برائی نہیں کرتے۔ کسی کو گناہ کرتے دیکھیں تو روکتے بھی نہیں کہ اس سے ہمیں

---

[1] صحيح البخاري، الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسراء يل، حديث 3461

[2] صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ "رب مبلّغ أوعى من سامع" حديث 67 وصحيح مسلم، القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء، حديث 1679



کیا ہوتا ہے۔ ہم اس کے سامنے برے کیوں بنیں۔ وہ اس خوش فہمی میں ہوتے ہیں کہ ہم تو گناہ نہیں کر رہے حالانکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تارک ہو کر گناہ گار بن رہے ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان لوگوں کو گناہ سے روکیں تو خود بھی نجات پا جائیں گے اور دوسروں کو بھی تباہی سے بچا لیں گے، ورنہ سب کے سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ نے یہ بات ایک واضح مثال دے کر بیان فرمائی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا

''اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں مداہنت کرنے والے کی مثال ان لوگوں کے مانند ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوں، ان میں سے بعض اوپر والے حصے میں سوار ہوں اور بعض نیچے والے حصے میں۔ نیچے والے پانی لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس جائیں تو وہ ان کے آنے پر تنگی محسوس کریں اور ناگواری کا اظہار کریں تو نیچے والے ان کے پاس جانے کے بجائے پانی لینے کے لیے کشتی کی تہہ ہی میں سوراخ کر لیں تاکہ سمندر سے پانی حاصل کر سکیں، اوپر والے کہیں یہ سوراخ کیوں کرتے ہو؟ وہ کہیں کہ تمھیں ہماری وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں پانی کی بہرحال ضرورت ہے اب اوپر والے ان کا ہاتھ روک لیں اور سوراخ نہ کرنے دیں تو سب بچ جائیں گے اور اگر انھیں نہ روکیں تو سب کے سب تباہ ہو جائیں گے۔''[1]

جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے، ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور ان کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا

''اللہ تعالیٰ کی قسم! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا، پھر تم اسے پکارو گے تو تمھاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔''[2]

---

(1) صحيح البخاري، الشركة، باب هل يقرع في القسمة والا ستهام فيه؟، حديث 2493

(2) جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث 2169

جو لوگ قدرت کے باوجود لوگوں کو برائی سے نہیں روکتے، ان پر دنیا ہی میں عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ''جب کوئی قوم معاصی کی مرتکب ہوتی ہے اور لوگ قدرت کے باوجود اسے گناہ سے نہیں روکتے تو دنیا میں ان پر عذاب الٰہی مسلط کر دیا جاتا ہے۔''[1]

اسی طرح گناہ کو دیکھ کر اسے برا نہ سمجھنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس گناہ میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''جب زمین پر گناہ کیے جائیں اور جو شخص وہاں موجود ہو، وہ دل میں اس گناہ کو برا سمجھے تو وہ ایسے ہے گویا وہاں موجود ہی نہیں۔ اس کے برعکس کوئی شخص وہاں موجود نہیں اور اس گناہ کو برا بھی نہ سمجھے تو وہ ایسے ہے گویا اس گناہ میں شریک ہے۔''[2]

لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا لیکن خود عمل نہ کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

یہود کا طریقہ تھا کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا

﴿أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو (یعنی خود عمل نہیں کرتے) حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہو۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔''[3]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک شخص کو قیامت کے دن لا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جہنم میں اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ یوں چکر

---

① سنن أبی داود، الملاحم، باب الأمر والنهی، حدیث 4339

② سنن أبی داود، الملاحم، باب الأمر والنهی، حدیث 4345

③ البقرة 2:44



لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے جناب! یہ کیا۔ آپ تو ہمیں نیکی کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکا کرتے تھے۔ آپ کا یہ انجام کیوں؟ تو وہ کہے گا میں تمھیں نیکی کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا۔ اور میں تمھیں برائی سے روکا کرتا تھا لیکن خود باز نہ آتا تھا۔''[1]



[1] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة النار و أنها مخلوقة، حدیث 3267

باب ٣٥۔ أخوّةُ الإسلام و حقوق المسلم

اسلامی معاشرت کے اصول

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «**لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوَى هٰهُنَا**». وَيُشِيرُ إِلَى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «**بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ**»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ کوئی چیز خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص خرید رہا ہو تو خواہ مخواہ بولی میں حصہ لے کر قیمت نہ بڑھاؤ کہ وہ چیز اسے مہنگی ملے۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ کسی کی بیع پر کوئی شخص بیع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ مسلمان بھائی پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد ترک کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ آپ نے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔''[1]

(1) صحیح مسلم، البر والصلة ، باب تحریم ظلم المسلم و خذله ...... حدیث 2564



لغوی تشریح [لَا تَحَاسَدُوْا] ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے۔اس کی حرمت پر اجماع ہے۔[وَ لَا تَنَاجَشُوْا] تم قیمت میں اضافہ نہ کرو۔ بازار میں کسی چیز کی فروخت کا اعلان ہو رہا ہو، خود خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ قیمت بڑھا دینا تاکہ دوسرے کو یہ چیز مہنگی ملے، اسے ''نجش'' کہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔[وَ لَا تَبَاغَضُوْا] آپس میں بغض نہ رکھو اور بغض کے اسباب اختیار نہ کرو۔[وَ لَا تَدَابَرُوْا] ایک دوسرے کو پشت نہ کرو، ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔[وَ لَا يَخْذُلُهُ] مسلمان، مسلمان کی جائز نصرت و مدد ترک نہیں کرتا بالخصوص ضرورت و احتیاج کے موقع پر۔[وَ لَا يَحْقِرُهُ] اسے حقیر نہیں جانتا۔[بِحَسْبِ] کافی ہے۔

فوائد اس حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ نے انسانی معاشرہ میں پائی جانے والی چند خامیوں، کوتاہیوں اور برائیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں اور نظر انداز کر جاتے ہیں اور کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ حالانکہ ان خرابیوں کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔اصلاح معاشرہ کے لیے ان کوتاہیوں کو زائل کرنا از حد ضروری ہے تاکہ باہمی الفت و محبت پیدا ہو اور بُعد و کدورت دور ہو۔

حسد

اس حدیث میں نبی ﷺ نے سب سے پہلے حسد سے منع فرمایا ہے کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ حاسد کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے آدمی کو جو نعمت میسر ہے وہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔ حاسد بلاوجہ حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نبیٔ کریم ﷺ نے حسد اور بغض کی مذمت کرتے ہوئے اسے سابقہ امتوں کی بیماری بتایا

ہے۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الأُمَمِ قَبْلَكُمْ: الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ»

''تمھارے اندر پہلی امتوں والی بیماری حسد اور بغض سرایت کر گئی ہے۔ آپس میں بغض رکھنا مونڈ نے والی بیماری ہے۔ بالوں کو مونڈ نے والی نہیں بلکہ دین کو مونڈ نے والی یعنی ختم کر دینے والی ہے۔''[1]

نیز آپ نے فرمایا

''کسی مسلمان کو روا نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان سے حسد کرے۔ البتہ صرف دو آدمیوں پر حسد (رشک) کرنے کی اجازت ہے۔ ایک جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے دن رات خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے لوگوں تک پہنچاتا اور سناتا ہو۔''[2]

اس حدیث میں حسد بمعنی رشک ہے۔ رشک میں کسی سے کسی نعمت کے زوال کی خواہش نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے لیے اس نعمت کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔ کسی سے حسد کیے بغیر محض خیر کی طلب کرنا عند اللہ مذموم نہیں ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی کو ناز و نعمت میں دیکھتا ہے تو اس نعمت کی خواہش کرتا ہے۔ اسلام نے اس کے فطری جذبے کو دبایا نہیں بلکہ صحیح سمت اس کی راہنمائی کر دی ہے۔ جو شخص اپنا دل صاف رکھے اور کسی سے حسد نہ کرے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے افضل الناس (سب سے افضل) قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

① جامع الترمذی، صفة القيامة، باب فی فضل صلاح ذات البين، حديث 2510 الإرواء 238/3

② صحيح البخاری، العلم، باب الفهم فی العلم، حديث 73

«كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ، صَدُوقِ اللِّسَانِ، قَالُوا: صَدُوقُ اللِّسَانِ، نَعْرِفُهُ. فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ؟ قَالَ: هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ. لَا إِثْمَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ»

''ہر وہ شخص جو مخموم القلب اور صدوق اللسان ہو'' صحابہ کرام نے کہا ہم صدوق اللسان کا مفہوم تو جانتے ہیں، مخموم القلب کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ''وہ شخص جس کا دل خوب صاف ہو، اس میں بالکل گناہ ہو، نہ سرکشی کا مادہ ہو، نہ خیانت ہو اور نہ حسد ہو۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ حسد اور کینہ جتنا بڑا گناہ ہے، انہیں ترک کرنا اتنی ہی بڑی نیکی ہے۔

تناجش

یہ لفظ ''نجش'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں شکار کو بھگانا، اصطلاحی طور پر کسی چیز کو فروخت کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر اس کی تعریف کرنا یا کسی چیز کی نیلامی کے وقت خود اسے خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھانے کے لیے زیادہ بولی لگانا تاکہ دوسرے کو وہ چیز مہنگی ملے، نجش کہلاتا ہے۔ چونکہ اس طرح حقیقی خریدار کو دھوکا دے کر نقصان پہنچایا جاتا ہے، اس لیے اس سے منع فرما دیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهَى عَنِ النَّجْشِ»

''رسول اللہ ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔''[2]

---

① سنن ابن ماجه، الزهد، باب الورع والتقوى، حديث 4216 وانظر السلسلة الصحيحة للألباني، حديث 948

② صحيح البخاري، البيوع، باب النجش، حديث 2142 و صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه ...... حديث 1516

لیکن اگر کوئی شخص فی الواقع اس چیز کو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے قیمت بڑھانا اور بولی دینا درست ہے۔ بعض تاجر ہر جائز اور ناجائز طریقے سے دولت کمانے کے حریص ہوتے ہیں۔ کسی چیز کو خریدنے کا ارادہ نہ بھی ہو تو یونہی بولی دے کر چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں اور فروخت کنندہ سے اس کے عوض کچھ رقم لے لیتے ہیں۔ آپ نے اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں اس عمل سے منع فرما دیا۔

بغض

انسانی معاشرے میں پائی جانے والی ایک برائی کا نام بغض ہے۔ بغض دراصل دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان عداوت کی بنا پر دوسرے کے خلاف اپنے دل میں رکھتا ہے۔ بسا اوقات حسد اور بغض مترادف استعمال ہوئے ہیں تاہم دونوں کے درمیان لطیف سا فرق ہے۔ حسد کا متضاد رشک ہے اور بغض کا متضاد محبت، حدیث میں بغض کے لیے الشحناء کا لفظ بھی آیا ہے۔ بغض ایسی بیماری ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی قیمت نہیں پاتے اور نہ ایسے آدمی کی بخشش ہوتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ، فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، إِلَّا رَجُلاً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا»

”ہر سوموار اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ مشرک کے علاوہ ہر ایک کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ سوائے ان دو آدمیوں کے جن کے درمیان کوئی بغض



ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جاتا ہے جب تک یہ دونوں صلح نہیں کر لیتے، ان کا معاملہ رہنے دو۔ اور یہ تین مرتبہ کہا جاتا ہے۔''[1]

چونکہ بغض انتہائی مذموم خصلت ہے، اس لیے اس سے منع فرمایا گیا، البتہ احادیث میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ اگر بغض و عداوت اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تدابر

یہ لفظ ''دبر'' سے مشتق ہے اس کا معنی ہے ایک دوسرے سے منہ موڑنا، اعراض کرنا اور قطع تعلق کرنا۔ نبی ﷺ نے اس حدیث میں چوتھی معاشرتی برائی ''تدابر'' سے منع فرمایا۔ اگر کسی سے ناراضی ہو جائے تو اس سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنا اور قطع کلامی کرنا جائز نہیں۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِى يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»

''کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی کرے۔ وہ دونوں ملیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں۔ ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔''[2]

اگر کسی نے کسی مسلمان بھائی سے قطع تعلق و قطع کلامی کی اور وہ اسی حال میں مرگیا تو جہنم میں جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

① صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهي عن الشحناء، حديث 2565

② صحيح البخاري، الأدب، باب الهجرة، حديث 6077 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام ......، حديث 2560 وانظر الإرواء 92/7

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ، فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ»

''کسی مسلمان کو روا نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی رکھے، جس نے تین دن سے زیادہ قطع کلامی رکھی اور وہ اسی حال میں مر گیا تو جہنم میں جائے گا۔''[1]

ایک سال تک کسی سے قطع تعلقی رکھنا اس کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ ابو خراش السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

«مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ»

''جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ ایک سال تک قطع کلامی رکھے تو یہ عمل اس کا خون بہانے کے مانند ہے۔''[2]

کسی کی بیع پر بیع کرنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک اور معاشرتی برائی سے منع فرمایا کہ جب دو شخص خرید و فروخت کر رہے ہوں تو کوئی ان کی بیع پر بیع نہ کرے۔ مثلاً خریدار کسی سے کوئی چیز ایک سو روپے کی خرید رہا ہے تو یہ ان کا معاملہ ختم ہونے سے قبل یا بعد میں کہے کہ میں تمھیں یہی چیز اس سے کم قیمت پر دیتا ہوں۔ یا فروخت کنندہ کو کہے کہ تم یہ ایک سو روپے میں بیچ رہے ہو، تم اسے نہ دو میں اس سے زیادہ میں خریدتا ہوں یہ دونوں طریقے ناجائز اور غلط ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في هجرة الرجل أخاه، حديث 4914 وانظر الإرواء 93/7

[2] سنن أبي داود، الأدب، باب في هجرة الرجل أخاه، حديث 4915 وانظر الصحيحه للألباني، حديث 928



«لَا يَبِعِ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَخْطُبْ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ، إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ»

''تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع کرے، نہ اپنے (مسلمان) بھائی کی شادی کے پیغام پر شادی کا پیغام بھیجے مگر یہ کہ (دوسرا شخص) اسے اجازت دے دے۔''[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلٰى سَوْمِ الْمُسْلِمِ»

کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔[3]

اخوت

اس حدیث میں نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے بندو! تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کیونکہ قرآنی فیصلہ کے مطابق تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فرمایا

﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾

''تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔''[1]

لہٰذا جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے اسی طرح ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیے۔ اور جس طرح بھائیوں کی آپس میں محبت ہوتی ہے تمام اہل ایمان کو آپس میں ایک دوسرے سے اسی محبت وخلوص سے پیش آنا چاہیے۔

① صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه ......، حديث 1412

② صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه، حديث 1515

③ الحجرات 49:10

ان ہدایات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرت کے چند اسرار و رموز کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں۔ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کرتا ہے نہ بوقتِ ضرورت اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے دروغ گوئی سے کام لیتا ہے نہ اسے نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے تین بار سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اصل بات تقوی ہے اور تقوی، یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف یہاں (دل میں) ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوف الٰہی ہو تو تمام معاملات سنور جاتے ہیں۔ ورنہ انسان اخلاق قبیحہ کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

پھر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ مسلمان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی اسے نفرت سے دیکھنا چاہیے۔ انسان کے بُرا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کی جان، مال اور عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے، لہٰذا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی جان کو نقصان پہنچائے نہ اس کے مال پر دست درازی کرے اور نہ دوسرے کی بے عزتی کرے۔





باب ٣٦۔ جوامع الخیر

بھلائی کے کام

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِی الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللهُ فِی الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللهُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ»

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی مومن کی دنیا میں کوئی تکلیف رفع کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکلیفوں میں سے کوئی تکلیف رفع فرمائے گا۔ جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔ جو شخص طلب علم کی خاطر کوئی

راہ چلے، اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا۔ جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے لیے جمع ہوتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے ہاں موجود مخلوق میں کرتا ہے اور جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے اس کا نسب اسے آگے نہیں لا سکتا۔"[1]

لغوی تشریح [نَفَّسَ] ہٹائے، دور کرے۔ [كُرْبَةً] ایسی تکلیف جس سے دل غمگین اور پریشان ہو۔ [يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ] تنگدست پر آسانی کرے، اسے ہبہ کرکے یا اسے فراخی تک کی مہلت دے کر۔ [سَتَرَ مُسْلِمًا] یعنی مسلمان کی کسی غلطی یا عیب کا علم ہو جائے تو کسی کو نہ بتائے [يَلْتَمِسُ] طلب کرتا ہے۔ [عِلْمًا] شرعی علم یا عام مسلمانوں کے لیے مفید علم۔ [يَتَدَارَسُونَهُ] ایک شخص پڑھے اور دوسرا سنے تو اسے "مدارست" کہتے ہیں۔ [اَلسَّكِينَةُ] وقار، اطمینان اور سکون۔ [وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ] اللہ تعالیٰ کی رحمت انھیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔ [حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ] رحمت کے فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

فوائد اس حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ نے متعدد مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

خدمت خلق

اس میں سب سے پہلے خدمت خلق کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی مومن کی کوئی تکلیف یا پریشانی رفع کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکالیف اور پریشانیوں کو رفع فرمائے گا۔ اس لیے عام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کی خدمت کرتے رہنا چاہیے۔

---

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذكر، حديث 2699



اللہ تعالیٰ کی مخلوق حتیٰ کہ جانوروں پر شفقت ورحمت کرنے کا بھی بڑا اجر وثواب ہے۔

...ست پر آسانی کرنا

آپ نے اس حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کسی تنگدست پر آسانی کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔ جو شخص دوسروں سے خوش اسلوبی کے ساتھ معاملات رکھے۔ نبی ﷺ نے اس کے حق میں رحم کی دعا کرتے ہوئے فرمایا

«رَحِمَ اللهُ رَجُلاً سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرٰى، وَإِذَا اقْتَضٰى»

''اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو خرید و فروخت کرتے وقت خوش اسلوبی اختیار کرے اور مطالبہ کرتے وقت بھی خوش اسلوبی سے مطالبہ کرے۔''[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم سے پہلی امتوں کے ایک آدمی کی روح کو ملے، انھوں نے اس سے کہا کیا تو نے دنیا میں کوئی اچھا کام کیا ہے۔ اس نے کہا نہیں، فرشتوں نے کہا یاد کر، تو اس نے کہا میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں کو کہا کرتا تھا کہ جو شخص تنگدست ہو اس سے رعایت کیا کریں اور جو دے سکتا ہو اس سے خوش اسلوبی سے مطالبہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ میرے بندوں کو رعایت دیا کرتا تھا میں اس سے رعایت کرنے کا زیادہ حقدار ہوں، لہٰذا تم بھی اس کے ساتھ رعایت کرو۔[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

① صحیح البخاری، البیوع، باب السھولة و السماحة فی الشراء و البیع، حدیث 2076

② صحیح البخاری، البیوع، باب من أنظر موسرًا 2077 و صحیح مسلم، البیوع، باب فضل إنظار المعسر، حدیث 1560

«مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ، أَظَلَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ»

''جو کوئی تنگدست کو رعایت و مہلت دے یا اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کسی اور چیز کا سایہ نہیں ہوگا۔''①

قرآن مجید میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾﴾

''اگر کوئی تنگدست ہے تو اسے آسانی اور سہولت تک مہلت دو اور اگر صدقہ کر دو تو تمھارے حق میں بہت بہتر ہے، اگر تمھیں علم ہے۔''②

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے قرض واپس لینا تھا، انھوں نے مقروض کو تلاش کیا تو وہ چھپ گیا۔ بالآخر جب ملا تو کہنے لگا میں تنگدست ہوں۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا واقعی۔ اس نے کہا ہاں، اللہ کی قسم! تو ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ»

''جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی تکالیف رفع کر دے، اسے چاہیے کہ وہ کسی تنگدست کو رعایت دے یا معاف کر دے۔''③

① جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في إنظار المعسر والرفق به، حديث 1306

② البقرة 280:2

③ صحيح مسلم، المساقاة، باب فضل إنظار المعسر ...... حديث 1563



عیب پوشی

ایک مسلمان کو اگر کسی مسلمان کے کسی عیب کا پتہ چل جائے تو اس کی تشہیر کرنے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنا اور اسے چھپانا چاہیے، یہ بھی مسلمان کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، كَشَفَ اللهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ بِهَا فِي بَيْتِهِ»

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب ظاہر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کرے گا یہاں تک کہ اسے گھر ہی میں رسوا کر دے گا۔''[1]

بھائی کی مدد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی مدد کرنی چاہیے۔ جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا، فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ، فَذٰلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ»

---

① سنن ابن ماجه، الحدود، باب الستر على المؤمن، حديث2546، صحيح بالشواهد.

''تم اپنے بھائی کی مدد کرو، وہ ظالم ہو یا مظلوم، ایک شخص نے کہا یارسول اللہ! وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کروں یہ تو ٹھیک ہے، وہ ظالم ہو تو کیسے مدد کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اسے ظلم سے باز رکھو تمھاری طرف سے یہی اس کی مدد ہے۔''[1]

فضیلت طلب علم

اس حدیث میں نبی ﷺ نے حصول علم کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ اسلام سے قبل عرب معاشرے پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ لوگ تعلیم و تعلم سے یکسر بیگانہ تھے۔ آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو اس کی اولین شعاؤں نے بے علمی کا اندھیرا ختم کر دیا۔ نبی ﷺ پر اترنے والی سب سے پہلی وحی کے الفاظ یہ تھے

﴿ اَقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ ﴾

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔''[2]

طلوع اسلام کے وقت مکہ میں کل سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لیکن اسلام کی بدولت تعلیم کا رواج اس قدر تیز ہو گیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں صحرا نشین بدو، علم کے کاروانوں کی رہبری کرتے نظر آئے۔ یہ علم ہی کی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تحصیل علم کی خاطر حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک حدیث کی تلاش میں مہینوں کا سفر طے کیا کرتے تھے۔ کثیر بن قیس کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، اس نے کہا اے ابودرداء! میں مدینۃ الرسول سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا

---

[1] صحیح البخاری، الإکراہ، باب یمین الرجل لصاحبه ..... حدیث 6952

[2] القلم 1:96



ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ، رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، آپ وہ حدیث بیان فرما دیں۔ اس کے علاوہ یہاں آنے کا میرا کوئی مقصد نہیں۔ یہ سن کر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے ''جو شخص طلب علم کی خاطر سفر طے کرے، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور فرشتے طالب علم کے احترام میں اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں۔ عالم کے لیے زمین و آسمان کی تمام مخلوق یہاں تک کہ پانی میں رہنے والی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ ایک عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو باقی ستاروں پر۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، وہ (انبیاء) درہم و دینار چھوڑ کر نہیں جاتے بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جس نے علم حاصل کر لیا اسے عظیم حصہ مل گیا۔''[1]

اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن

نبی ﷺ نے اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا ''کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے لیے جمع ہوں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے آ کر انھیں گھیر لیتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر فخر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے ہاں موجود فرشتوں میں کرتا ہے۔'' قرآنِ کریم کی تلاوت باعث خیر و برکت اور اجر و ثواب ہے۔ نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق قرآنِ کریم کے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔

اگرچہ انفرادی طور پر گھر میں بیٹھ کر بھی قرآن حکیم پڑھنے کا ثواب ہے لیکن مسجد میں اجتماعی طور پر قرآن کریم پڑھنے کی صورت میں ثواب اور زیادہ ہے۔ مساجد میں قرآن

---

① سنن أبی داود، العلم، باب فی فضل العلم، حدیث 3641

خوانی کے حلقے قائم کرنے کے کئی فائدے ہیں۔ جو لوگ تلاوت قرآن میں غفلت کرتے ہیں انھیں احساس ہوگا اور اس طرح وہ بھی تلاوت کرنے لگ جائیں گے۔ اسی طرح جو لوگ قرآن کریم کا علم نہیں رکھتے یا ان کے پاس علم تھوڑا ہے وہ علماء سے پڑھ سکیں گے۔ اس طرح قرآن کا علم بڑھے گا اور اس کی اشاعت زیادہ ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔''[1]

ذریعہ نجات

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں آخری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ جو شخص اعمالِ صالحہ انجام دینے میں غفلت سے کام لے گا اس کا حسب ونسب اس کے کام نہ آ سکے گا۔ اسلام میں نجات کا انحصار، رنگ ونسل یا حسب ونسب پر نہیں بلکہ ایمان واعمال صالحہ پر ہے۔ کسی نبی، ولی یا بزرگ کی اولاد یا دیگر رشتہ دار محض اس رشتہ داری کے سبب نہیں بخشے جائیں گے۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق ہے کہ وہ نافرمان، عاصی اور غیر مسلم تھا، مگر نبی کا بیٹا ہونا اس کے کام نہ آ سکا۔ جب کافروں پر پانی کا عذاب آیا تو نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی اس میں گرفتار ہوا۔ جب نوح علیہ السلام نے اسے غرق ہوتا ہوا دیکھا تو دل پسیج گیا اور اس کے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یہ بدعمل ہے، اس کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔''

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق بھی صراحت آئی ہے کہ اس نے ایمان قبول نہ کیا تھا اس لیے وہ جہنم رسید ہوگا۔ نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں بھی ایمان نہیں لائی تھیں اس لیے وہ

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، حدیث 5027



بھی جہنم میں جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ونجات کا دارومدار صرف اعمال صالحہ پر ہے۔قرآن کریم میں ہے

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔''[1]

نبیٔ کریم ﷺ نے ایک دفعہ اپنے خاندان والوں کو خطاب فرمایا تو آپ نے نام لے لے کر کہا ''اے خاندانِ قریش! اے بنوعبدالمطلب! اے عباس (رسول اللہ کے چچا)! اے صفیہ (رسول اللہ کی پھوپھی)! اے فاطمہ بنت محمد! تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالو۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کسی کام نہ آسکوں گا۔''[2]

یعنی سب انسان آدم کی اولاد ہیں، ان میں فرقِ مراتب صرف تقوٰی کی بنیاد پر ہے۔

قیامت کے دن بھی ایمان، اعمال اور عقائد کے لحاظ سے لوگوں کی گروہ بندی ہوگی، حسب ونسب کے اعتبار سے نہیں، کیونکہ اسلام میں عظمت وفضیلت کا معیار تقوٰی اور پرہیز گاری ہے۔کنبہ، قبیلہ، خاندان، رنگ، نسل، امارت وغربت وغیرہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔اس لیے آپ نے اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس حدیث میں فرمایا کہ جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے، اس کا حسب نسب اسے آگے نہیں لاسکتا۔ ہاں! اگر اولاد ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہوگی تو پھر اولاد کی نیکی والدین کے لیے رفع درجات کا باعث ہوگی جیسا کہ سورۂ طور میں اس کی صراحت موجود ہے۔



---

[1] الحجرات 13:49

[2] صحیح البخاری، الوصایا، باب هل یدخل النساء والولد فی الأقارب، حدیث 2753 وصحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالی ، ...... حدیث 206

عدل وانصاف کا اُلوہی تصور

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنْ رَّسُولِ اللهِ ﷺ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَّبِّهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: «**إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ - فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَإِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا، كَتَبَهَا اللهُ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً**»

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں (یعنی یہ حدیث قدسی ہے) فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں، پھر اس کی وضاحت یوں فرمائی جو شخص نیکی کا ارادہ کرے، ابھی اس نے عمل نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاں مکمل نیکی درج فرما لیتا ہے، اور اگر نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی کو اپنے ہاں دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ لکھ لیتا ہے۔''

اور اگر انسان صرف برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو بھی اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاں مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اور برائی کا ارادہ کر کے عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں



اسے صرف ایک ہی گناہ لکھتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نیکی کی توفیق دے (آمین) ذرا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو دیکھو اوران الفاظ پر غور کرو۔

[عندہ] اپنے ہاں، اس لفظ میں انسانی اعمال کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

[کاملۃ] یہ لفظ تاکید اور اہمیت کی شدت کے لیے ہے۔ اور پھر انسان جس گناہ کا ارادہ کر کے ترک کر دے اور عمل نہ کرے اللہ اسے بھی مکمل نیکی درج کر لیتا ہے۔ یہاں [کاملۃ] کا لفظ تاکید اور شدت کے لیے آیا ہے۔ اور اگر انسان گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے اللہ تعالیٰ صرف ایک گناہ لکھتا ہے۔ اس کی قلت کو ظاہر کرنے کے لیے یہاں اسے صرف ایک گناہ کہا گیا ہے۔ اس کے ساتھ (نیکی کی طرح) تاکیدی لفظ ''کاملہ'' نہیں آیا۔ حمد و احسان اسی اللہ کا حق ہے، وہ پاک ہے اور ہم کما حقہ اس کی ثنا نہیں کر سکتے۔

لغوی تشریح [يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ] یعنی یہ حدیث قدسی ہے، حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ اپنی طرف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بیان کریں۔ [كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ] اللہ تعالیٰ نے نگران فرشتوں کو ان کے لکھنے کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ [هَمَّ] ارادہ اور قصد کرے [بِحَسَنَةٍ] نیکی کا، فرض ہو یا نفل۔ [ضِعْفٍ] گنا، زیادہ۔ [بِسَيِّئَةٍ] گناہ، نافرمانی صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

فوائد اس حدیث قدسی میں نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے مگر

---

① صحیح البخاری، الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة، حديث 6491 و صحيح مسلم، الإيمان، باب إذاهم العبد بحسنة كتبت وإذاهم بسيئة لم تكتب، حديث 131

عملاً اس کی تکمیل سے قاصر رہے تو محض ارادے ہی کی وجہ سے اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ کر کے عملاً اسے انجام دے لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرے اور عملا انجام نہ دے تو یہ بھی اس کے نامۂ اعمال میں پوری نیکی درج کی جاتی ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد عملاً برائی کر لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک برائی یا گناہ لکھا جاتا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کی وسعت کا پتہ چلتا ہے کہ نیکی تو صرف ارادہ کرنے ہی سے لکھی جاتی ہے اور برائی جب تک عملاً سرزد نہ ہو، لکھی نہیں جاتی بلکہ اگر برائی کا ارادہ کر کے اسے شعوری طور پر ترک کرے اور چھوڑ دے تو یہ بھی نیکی لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہے پھر یہ اجر و ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ سات سو گنا تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی اس میں برکت و اضافہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عامل میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور نیکی کا محل جس قدر موزوں تر ہوتا ہے اس کے ثواب میں اسی لحاظ سے اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اور نبی ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں ہے

﴿مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰٓ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾﴾

''جو شخص نیکی کر کے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) آئے گا اسے دس نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو شخص برائی کا مرتکب ہوا سے صرف اس ایک کی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔''[1]

(1) الأنعام 160:6



ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ﴾

''اور جنھوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہوگا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرمائی

﴿ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِّنْهَا وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (٨٤) ﴾

''اور جو شخص نیکی کر کے آئے گا اسے اس سے بہتر اجر ملے گا اور جو برائی کا مرتکب ہوا تو برے کام کرنے والوں کو صرف ان کے اعمال ہی کا بدلہ ملے گا۔''[2]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ، كَتَبَ اللهُ لَهُ كُلَّ حَسَنَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا، وَمُحِيَتْ عَنْهُ كُلُّ سَيِّئَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا، ثُمَّ كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ، الْحَسَنَةُ بِعَشْرَةِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا»

''جب کوئی آدمی مسلمان ہوتا ہے تو اس کی اسلام سے پہلے کی ہوئی تمام نیکیاں اس کے حق میں ثابت رہتی ہیں اور جس قدر گناہ اس سے سرزد ہوئے ہوں وہ تمام معاف کر دیے جاتے ہیں، اس کے بعد والی زندگی کا حساب ہوتا ہے۔ ہر نیکی کی جزا کم از کم دس گنا ہوتی ہے اور اس میں سات سو گنا تک اضافہ بھی ہو جاتا ہے، البتہ برائی کی سزا اتنی ہی ملتی ہے جتنی برائی ہو۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو معاف کر دے۔''[3]

① یونس 27:10 ② القصص 84:28

③ سنن النسائي، الإيمان، باب حسن إسلام المرء، حديث 5001

ان تمام آیات واحادیث سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر از حد مہربان ہے۔ انسان اگر برائی کا ارادہ کر کے اسے ترک کر دے تو بھی وہ اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ''جب میرا کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک وہ عمل نہ کرے اس وقت تک اس کو برائی نہ لکھو، یہاں تک کہ وہ اس کا ارتکاب کر لے اور اگر برائی کر لے تو ایک ہی برائی لکھو۔ جب کوئی انسان نیکی کا قصد کر لے اور اسے عملی طور پر نہیں کرتا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔''[1]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرشتے پوچھتے ہیں، یارب! فلاں بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے کہ وہ اس کا ارتکاب کرے گا یا نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اسے دیکھتے رہو اور اس پر نظر رکھو، وہ یہ برائی کرے تو یہی گناہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دینا۔ اور اگر اسے ترک کر دے اور عمل نہ کرے تو یہی ترکِ ارادۂ گناہ نیکی لکھ دینا، کیونکہ وہ میرے خوف کی بنا پر اسے ترک کرے گا۔''[3]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی شخص اپنی اسلامی زندگی کو بہتر بنائے تو اسے زندگی بھر ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ملتا ہے اور ہر گناہ صرف ایک عدد لکھا جاتا ہے۔''[4]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوا ـ أَوْ يَعْمَلُوا بِهِ»

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب إذاهم العبد ......، حديث 128

② صحيح مسلم، الإيمان، باب إذاهم العبد بحسنة ...... حديث 129

③ صحيح مسلم، الإيمان، باب إذاهم العبد بحسنة ...... حديث 129



''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے (برے) خیالات اور ارادے معاف کر دیے ہیں جب تک کہ ان پر عمل کے لیے کلام یا عملی اقدام نہ کرے۔''[1]

یہی چیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ ﴾

''میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ میں بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔''[2]

اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان ہے کہ جب انسان نیکی کرے تو محض نیکی کرنے سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ﴾

''بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا ڈالتی ہیں۔''[3]

جیسا کہ وضو کرتے وقت ہر ہر عضو دھونے کے ساتھ ہی اس کے گناہ معاف ہوتے اور دھلتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا، یارسول اللہ! وضو کا کیا طریقہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم وضو کرو تو اچھی طرح ہاتھ دھوؤ، تمھارے ہاتھوں کے گناہ انگلیوں اور ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جائیں گے۔ اور جب تم کلی کرو، ناک میں پانی ڈالو، چہرہ اور کہنیوں تک بازو دھوؤ، سر کا مسح اور ٹخنوں تک پاؤں دھو کر فارغ ہوؤ، تو تم اپنے تمام گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے اور جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرو، تو گناہوں سے یوں پاک ہو جاؤ گے جیسا کہ آج ہی پیدا ہوئے ہو۔'' وضو کی فضیلت اور یہ حدیث سن کر ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے کہا، ذرا سوچ کر دھیان سے بتائیں کہ کیا اس قدر ثواب محض اس ایک محفل میں حاصل ہو جاتا ہے! تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''اللہ کی قسم! میں بوڑھا ہو چکا ہوں، میری موت کا وقت قریب ہے، میں کوئی تنگدست بھی نہیں کہ

---

① صحیح مسلم، الإیمان، باب تجاوز اللّٰہ عن حدیث النفس......، حدیث 127

② الحجر 49:15 ③ ھود 114:11

اللہ تعالیٰ کے رسول پر جھوٹ باندھوں (اور لوگوں سے مفاد اٹھاؤں) اللہ کی قسم! میں نے یہ حدیث رسول اکرم ﷺ سے سنی اور میرے دل نے اسے خوب یاد رکھا۔''[1]



---

[1] سنن النسائی، الطھارۃ، باب ثواب من توضأ کما أمر، حدیث 147



باب۳۸۔ وسائل القرب من اللّٰہ تعالٰی و نیل محبته

اللہ کی محبت اور قرب کے ذرائع

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبْدِی بِشَیْءٍ أَحَبَّ إِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَیْهِ، وَمَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِی یَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِی یُبْصِرُ بِهِ، وَیَدَهُ الَّتِی یَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِی یَمْشِی بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِی لَأُعْطِیَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَأُعِیذَنَّهُ»

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے جو شخص میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے سے میرے زیادہ قریب نہیں آ سکتا۔ میرا بندہ نوافل (نفلی عبادات) کے ذریعے سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ ضرور دیتا ہوں۔“ [1]

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب التواضع، حدیث 6502

لغوی تشریح [عَادٰی] یہ ''معاداۃ'' سے مشتق ہے۔ [عدو] ولی کی ضد ہے۔ ایک روایت میں ''عادی'' کے بجائے ''اھان'' کے الفاظ ہیں۔ [وَلِیًّا] ولی، وہ مومن ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو اور یہ قرب عبادت الٰہی کے دوام سے حاصل ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ بھی حفاظت و مدد کے ذریعے سے اس کی سرپرستی فرماتا ہے۔ [آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ] میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور اسے خبردار کرتا ہوں کہ میں اس کا مخالف ہوں۔ [بِالنَّوَافِلِ] فرائض کے علاوہ جملہ قسم کی عبادات۔ [حَتّٰی أُحِبَّهُ] یہاں تک کہ میں اس سے راضی ہو جاتا ہوں اس کی حفاظت کرتا اور اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ [اِسْتَعَاذَنِی] مجھ سے پناہ طلب کرے۔ [لَأُعِیذَنَّهُ] اسے جن چیزوں سے خوف ہے میں اسے ان سے ضرور پناہ دیتا ہوں۔

فوائد

محبت اولیا

پیش نظر حدیث بھی حدیث قدسی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار بھی کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے یا اسے ستائے تو گویا اس نے میرے ساتھ عداوت کی اور مجھے ستایا۔ اولیا، ولی کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ولی اور دوست وہی ہیں جو شریعت کی مکمل پابندی کریں اور نوافل سے بھی غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ﴾

''(اللہ کے دوست وہ ہیں) جو ایمان لانے کے بعد اس کی حدود کی پابندی کرتے ہیں۔''[1]

---

[1] یونس 63:10



آج کل لوگوں میں اولیاء کا تصور اس قسم کا ہے کہ جن سے خرقِ عادت امور ظاہر ہوں اور جو خود اپنے ولی ہونے کا دعویٰ اور اعلان کریں وہی ولی ہوتے ہیں، حالانکہ کرامات اور خرق عادت امور کا ظہور اولیاء کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم، مرضی اور مشیت سے ہوتا ہے۔ اور خود ولی کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس سے یہ امر ظاہر ہونے والا ہے۔ آج کل بعض بے عمل بلکہ بدعمل اور بدعقیدہ قسم کے لوگ پیر، مرشد اور ولی بنے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ قطعاً ولی نہیں ہو سکتے۔ ولی ہونے کے لیے شریعت کا عامل ہونا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ ﴾

"اللہ تعالیٰ کے ولی صرف متقی اور پرہیز گار لوگ ہیں۔"[1]

﴿أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾﴾

"آگاہ رہو! اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گار رہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔"[2]

ہر دین دار، اللہ تعالیٰ کے مومن متقی بندوں سے الفت و محبت کرتا اور ان کی عداوت سے احتراز کرتا ہے۔ کیونکہ ان سے عداوت گویا اللہ تعالیٰ سے عداوت ہے اور ان سے محبت گویا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

① الأنفال 8:34 ② يونس 10:62-64

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ ٱلرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾﴾

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، یقیناً رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔''[1]

فرائض کی اہمیت

ارشادِ نبوی ﷺ ہے

«وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ»

اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا تقرب اور محبت حاصل کرنے کا افضل ترین ذریعہ فرائض ہیں کہ انھیں مکمل پابندی، تن دہی اور مستعدی سے ادا کیا جائے۔ فرائض کو نظر انداز کر کے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس سے اس کا تقرب حاصل کیا جا سکے۔ فرائض میں سب سے اہم ارکانِ دین نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔

ارکان دین میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کو ہے۔ یہ دین کا ستون ہے۔ اس کے بغیر دین کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔ کوئی شخص جو تارک نماز ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ ارکان دین کی طرف سے غفلت و بے پروائی کرنے والا اگر ولی ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس کی بات قابلِ اعتماد نہیں بلکہ ایسا شخص مسلمان ہی نہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل ''نماز'' ہی کو قرار دیا ہے۔[2]

اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ''ترک نماز'' کو کفر قرار دیا ہے۔[3]

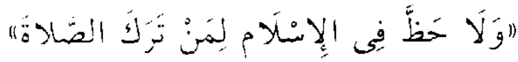
امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

① مریم 96:19

② سنن أبی داود، السنة، باب فی رد الإرجاء، حدیث 4678

③ جامع الترمذی، باب ماجاء فی ترك الصلاة، حدیث 2621 وغیرہ



«وَلَا حَظَّ فِي الإِسْلَامِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلَاةَ»

''تارک نماز کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔''[3]

نوافل کا درجہ

فرائض کی اہمیت وفضیلت کے بعد نوافل کا ذکر فرمایا، کہ انسان نوافل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ کوئی شخص فرائض کی بجا آوری کے بعد جس قدر نفلی اعمال زیادہ بجا لائے اسے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا قرب، محبت اور دوستی حاصل ہو گی۔ جب یہ دوستی اور محبت درجہ کمال کو پہنچ جائے تو انسان ''ولی کامل'' بن جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی قدم شریعت کے خلاف نہیں اٹھتا۔ وہ شریعت کا اس قدر پابند ہو جاتا ہے کہ پھر وہ غیر شرعی باتوں پر کان دھرتا ہے نہ ان کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ ادھر ہاتھ بڑھاتا ہے نہ ادھر چل کر جاتا ہے۔ اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں غرضیکہ سارا جسم شریعت اور کتاب وسنت کے تابع ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہ اس کی تعمیل کرتا ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ روکے، وہ اس سے رک جاتا ہے۔ جس میں یہ علامات واوصاف موجود ہوں وہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی ولی اور حقیقی دوست ہے۔

نتیجہ

جب کوئی شخص اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر لے تو وہ رتبۂ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے، اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے تو اسے وہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اولیاء کے معیار کو پہچاننے کی اصلی کسوٹی ہے۔

---

[1] موطأ امام مالك، الطهارة، العمل فيمن غلبه الدم من جرح أو رعاف 45/1

اسلام میں مشکلات کا ازالہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ :

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِی عَنْ أُمَّتِی الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِهُوا عَلَیْهِ»

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے (تین قسم کے کاموں اور گناہوں کو) معاف کر دیا ہے۔ خطا، نسیان اور وہ کام جن کے کرنے پر انسان مجبور کر دیا جائے۔''[1]

لغوی تشریح [تَجَاوَزَ] معاف کر دیا ہے۔ [اَلْخَطَأَ] غلطی، غیر شعوری، کوتاہی و قصور۔ [النِّسْیَان] بھول [وَمَا اسْتُکْرِهُوا عَلَیْهِ] جن کاموں کے کرنے پر انھیں غلبہ اور قوت کے ساتھ مجبور کر دیا جائے۔

فوائد اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بڑی آسانیاں فرمائی ہیں اور ہر انسان کو اس کی ہمت و طاقت کے مطابق ہی شرعی احکام کا مکلّف ٹھہرایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی ہمت و طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں ٹھہراتا۔''[2]

---

① سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المکره والناسی، حدیث 2045 و السنن الکبری للبیهقی 356/7 و اللفظ له

② البقرة 286:2



نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

«اَلدِّيْنُ يُسْرٌ»

''دین انتہائی آسان ہے۔''[1]

انسان بعض اوقات کچھ باتیں بھول جاتا ہے، بسا اوقات ایک جائز اور حلال کام کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس سے غلطی ہو جاتی ہے اور ایسا کام اس سے سرزد ہو جاتا ہے جس کی شریعت کی طرف سے اسے اجازت نہ تھی یا بعض اوقات انسان ذاتی طور پر کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہتا لیکن اسے اس کام کے کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے انسان کے ایسے تمام کام معاف فرما دیے ہیں۔

چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے تین قسم کے کاموں سے درگزر فرمایا ہے۔ ① خطا ② نسیان ③ جس کام کے کرنے کے لیے انسان کو مجبور کر دیا جائے۔

خطا

خطا، عمد کی ضد ہے۔ غیر ارادی طور پر کوئی کام کرنے کو ''خطا'' کہتے ہیں۔ مثلاً کسی کافر کو مارنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے مسلمان کو قتل کر دیا یا شکار پر گولی چلائی اور وہ کسی انسان کو جا لگی۔ انسان جو اعمال قصداً کرے، ان پر اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ اور اگر کوئی کام غلطی سے سرزد ہو جائے تو اس کا کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے

﴿وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ﴾

''اور تم سے جو خطا ہو جائے اس میں کوئی حرج (مؤاخذہ) نہیں لیکن جو کام تم قصداً

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب الدين يُسر، حديث 39

کروان کا مؤاخذہ ہوگا۔''[1]

اسی طرح قتل عمد کی صورت میں قصاص مشروع ہے لیکن قتل خطا کی صورت میں قصاص نہیں البتہ دیت (خون بہا) مقرر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ﴾

''اور کسی مومن کو روا نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ خطا ہو جائے اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو وہ ایک مومن غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثا کو خون بہا ادا کرے مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں۔''[2]

اسی طرح حاکم اور قاضی، فیصلہ اور اجتہاد کرتے وقت اگر درست فیصلہ کریں تو انھیں دگنا اجر ملتا ہے لیکن کوشش کے باوجود اگر فیصلہ کرنے میں ان سے خطا ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اجر و ثواب کے حقدار ہوتے ہیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ»

''حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کرے تو اسے دگنا ثواب ملتا ہے اور اگر اس سے خطا ہو جائے تب بھی (اسے حق کی تلاش کا) ایک ثواب ضرور ملتا ہے۔''[3]

---

① الأحزاب 5:33 ② النساء 92:4

③ صحيح البخاري، الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حديث 7352 و صحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حديث 1716



نسیان

نسیان، بھول چوک کو کہتے ہیں مثلاً خیال نہ رہا کہ میرا روزہ ہے، اس تصور کی بنا پر کھا لینا یا پی لینا، ایسی صورت میں انسان کا وہ عمل درست ہے اور کھانے پینے کا کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ اس کا روزے کی طرف دھیان ہی نہیں ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»

''جس شخص نے روزہ رکھا پھر وہ بھول کر کھا لے یا پی لے تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ مکمل کرے، اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔''[1]

اسی طرح اگر آدمی کی نماز، نیند یا نسیان کی وجہ سے رہ جائے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم نہیں گردانا جاتا بلکہ جب اسے یاد آئے یا وہ بیدار ہو تو نماز پڑھ لے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ، فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ، فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»

''جسے نماز بھول جائے اسے چاہیے کہ جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے۔ اس کے اس عمل کا یہی کفارہ ہے۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«إِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ غَفَلَ عَنْهَا، فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا. فَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي»

---

① صحیح مسلم، الصیام، باب أکل الناسی و شربہ و جماعہ لا یفطر، حدیث 1155

② صحیح مسلم، الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفائتۃ ...... حدیث 684

''جب تم میں سے کسی کو نیند آ جائے یا وہ نماز سے غافل رہ جائے، تو جب یاد آئے اسی وقت ادا کر لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''[1]

معلوم ہوا کہ خطا اور نسیان بہرحال معاف ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا﴾

''اے ہمارے رب! اگر ہم سے نسیان یا خطا ہو جائے تو ہمارا مؤاخذہ نہ فرمانا۔''[2]

مجبوری کی صورت میں کیے گئے عمل

اس حدیث میں تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ جن کاموں کے کرنے پر انسان کو مجبور کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بھی معاف اور کالعدم ہیں۔ ان پر جزا و سزا یا دنیوی احکام نافذ نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ انسان مجبوری کی صورت میں اگر جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر بھی زبان سے کہہ دے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جرم نہیں ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُۥ مُطْمَئِنٌّۢ بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾﴾

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن جس نے کفر کے لیے اپنا سینہ کھول دیا (راضی خوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[3]

---

① صحيح مسلم، الصلاة، باب قضاء الفائتة ......، حديث 684

② البقرة 286:2 ③ النحل 106:16



اسی طرح طلاق اور عتاق (غلام کی آزادی) سب معاملات اسی صورت میں نافذ ہوتے ہیں جب بخوشی کیے جائیں۔ اگر کسی کو مجبور کر کے یا زبردستی ان امور کا اقرار کرایا جائے تو شرعا یہ امور واقع اور نافذ نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِي إِغْلَاقٍ»

''طلاق اور عتاق اکراہ کی صورت میں واقع نہیں ہوتے'' (اس صورت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔)[1] بلکہ بچے اور مغلوب العقل کے مانند مکرہ (مجبور کیا ہوا) بھی مرفوع القلم ہے اور اس کے عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ»

''تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے یعنی ان پر مؤاخذہ نہیں۔ ① سویا ہوا، جب تک بیدار نہ ہو۔ ② بچہ، جب تک بالغ نہ ہو۔ ③ مغلوب العقل، جب تک عاقل نہ ہو۔''[2]

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت محمدیہ پر اللہ کے خصوصی احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر مسلمانوں کی غلطیاں، بھول چوک اور ایسے معاملات جو کسی کے مجبور کرنے پر سرزد ہوں وہ معاف کر دیے ہیں۔ جبکہ وہ دل سے اس کام پر تیار نہیں، محض زبان سے وہ کام کرنے کا اقرار کر رہا ہے۔ اگر وہ کسی دوست وعزیز کے مجبور کرنے پر کام کے لیے آمادہ ہو جائے اور اس کو راضی کرنے کے لیے کام کرے تو پھر وہ مجبور تصور نہیں ہوگا جیسا

---

① سنن أبي داود، الطلاق، باب في الطلاق على غلط، حديث 2193 وانظر، الإرواء 113/7

② سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، حديث 4403، وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء فيمن لا يجب عليه الحد، حديث 1423، وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، حديث 2042

کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نہ چاہنے کے باوجود عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اپنے باپ کی بات پر عمل کرو۔ اس طرح اپنی جان بچانے کی خاطر دوسرے کو قتل کرے گا تو مجبور تصور نہیں ہوگا۔ اپنے مال و جان ہی کی طرح دوسرے مسلمان بھائی کے مال و جان کا تحفظ ضروری ہے۔





آخرت میں کامیابی کے لیے دنیا سے بے رغبتی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبَيَّ فَقَالَ: «**كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ**» وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھوں کو پکڑ کر فرمایا ''دنیا میں یوں رہو جیسے کہ اجنبی یا راہ چلتا مسافر ہو۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کیا کرو اور صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو۔ صحت کو بیماری سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔''[1]

لغوی تشریح [أَخَذَ] پکڑا۔ [بِمَنْكِبَيَّ] منکب کا تثنیہ۔ کندھے، شانے۔ [غَرِيبٌ] جو شخص اپنے شہر سے دور کسی جگہ ہو۔ جہاں اس کے اہل و عیال اور رہائش نہ ہو یعنی اجنبی۔ [عَابِرُ سَبِيلٍ] راہی، راہ چلتا [إِذَا أَمْسَيْتَ] جب تو شام کرے ''مَسَاءٌ'' زوال سے آدھی رات تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ [إِذَا أَصْبَحْتَ] جب تو صبح کرے۔ آدھی رات سے زوال تک کا وقت ''صباح'' کہلاتا ہے۔

① صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ "كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل" حديث 6416

فوائد: پیشِ نظر حدیث میں نبی ﷺ نے ہمیں دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کوئی مسلمان اس دنیا کو مستقل ٹھکانا سمجھ کر اس سے دل نہ لگائے بلکہ یہ دنیا فانی اور ختم ہونے والی ہے۔ ہر متنفس یہاں عارضی زندگی لے کر آیا ہے۔ انسان کو یہاں عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کی حقیقی جزا اور بدلہ آخرت میں ملے گا۔ گویا یہ دنیا دارالعمل ہے اور آخرت دارالجزا۔ اسی لیے اس دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ ٱلْءَاخِرَةِ نَزِدْ لَهُۥ فِى حَرْثِهِۦ﴾

''جو آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھائیں گے۔''[1]

یعنی انسان یہاں جو کچھ محنت کرے گا، اسی حساب سے جزا کا مستحق ہوگا۔ دنیوی مال و دولت اور جاہ و حشمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ، قَالَ: أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ، فَقَالُوا: مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ، قَالَ: فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ، مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ»

''رسول اللہ ﷺ بکری کے کان کٹے، مردہ بچے کے پاس سے گزرے اور فرمایا ''تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا۔'' صحابہ نے کہا ہم تو اسے بلا قیمت بھی لینا پسند نہیں کرتے۔ (کیونکہ یہ بے وقعت اور بے حقیقت ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی قسم! تمھارے نزدیک جس قدر یہ بے وقعت اور بے حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا اس سے بھی زیادہ بے حقیقت اور بے وقعت ہے۔''[2]

---

[1] الشوریٰ 20:42

[2] صحیح مسلم، الزهد، باب الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر، حدیث 2957



چونکہ دنیا کے بالمقابل آخرت میں اہل ایمان کے لیے بہت زیادہ آرام اور راحت ہو گی، اس لیے نبی ﷺ نے اس دنیا کو اہل اسلام کے لیے قید خانہ قرار دیا ہے۔ جبکہ کافر اس دنیا میں بڑے آرام سے ہیں اور آخرت میں وہ سزا اور عذاب جھیلیں گے، اس لیے آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ (پابندی کی جگہ) اور کافر کے لیے جنت ہے۔''①

چونکہ یہ دنیا اور دنیا کا مال و دولت اللہ تعالیٰ کے ہاں بے حقیقت ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَّا فِيهَا إِلَّا ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ»

''خبردار! یہ دنیا اور دنیا کا ساز و سامان سب ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے امور کے اور عالم اور متعلم کے۔''②

بعض لوگ حصول دنیا کے بڑے مشتاق ہوتے ہیں اور اس میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہیں کرتے اور اس طرح اپنی آخرت برباد کر لیتے ہیں۔ اور جو شخص آخرت کی کامیابی کا خواہش مند ہو وہ آخرت کی فکر کرتا ہے اور دنیا کا نقصان بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ لوگ بالعموم دنیوی عیش و راحت کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں بڑی بڑی جاگیریں، محلات اور آسائشیں تلاش کرتے ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی جیسے بھی ہو گزر ہی جائے گی۔ انسان یہاں بے شک تنگ و ترشی میں رہے تاہم اللہ کا ذکر، اس کی یاد، اس رضا کے حصول

---

① صحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن للمؤمن و جنة للكافر، حديث 2956

② جامع الترمذي، الزهد، باب إن الدنيا ملعونة، حديث 2322 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب مثال الدنيا، حديث 4112

اور آخرت کی فلاح کی طرف سے غافل نہ ہو۔ نبیٔ اکرم ﷺ کو اللہ نے دنیا کے مال و دولت سے محفوظ رکھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ»

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے دنیا سے یوں محفوظ رکھتا ہے جیسے تم بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔''①

ایک دفعہ نبی ﷺ چٹائی پر آرام فرما ہوئے، جب آپ اٹھے تو آپ کے جسد مبارک پر چٹائی کے نشانات تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! آپ ہمیں حکم دیتے تو ہم آپ کے لیے نرم بستر تیار کر کے بچھا دیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میرا دنیا سے کیا تعلق۔ میرا اور دنیا کا تعلق صرف اس قدر ہے جیسے کوئی مسافر راہ چلتے ہوئے کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرے، ستائے اور کچھ دیر بعد اسے چھوڑ کر اپنی راہ لے۔''②

آپ ﷺ نے دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا

«وَاللهِ! مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ»

''اللہ تعالیٰ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک انسان سمندر میں انگلی ڈالے، پھر دیکھے اسے کتنا پانی لگتا ہے۔''③

چنانچہ پیش نظر اس حدیث میں بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کندھے سے پکڑا اور فرمایا تم دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی پردیسی یا راہ گیر مسافر ہو، یعنی پردیسی تو پھر بھی کہیں نہ

① جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی الحمیة، حدیث 2036

② جامع الترمذی، الزھد، باب ماالدنیا إلا کراکب استظل، حدیث 2377

③ صحیح مسلم، الجنة و نعیمها، باب فناء الدنیا ...... حدیث 2858



کہیں ٹھکانہ کر لیتا ہے اور ٹھہر جاتا ہے لیکن راہ گیر کے پیشِ نظر راستہ طے کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس پر صرف یہ دھن سوار ہوتی ہے کہ سفر طے کر کے جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اسی طرح دینِ اسلام کے راہی کو چاہیے کہ اپنے اصل مقصد سے کام رکھے اور اخروی فلاح کے نصب العین کو کسی بھی وقت اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ اگر وہ اس دنیا میں الجھ گیا تو منزل کا حصول نہ ہو سکے گا۔ ایک مومن کے نزدیک یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں۔ اس کا اصل دھیان، اصلی مسکن، جنت کی طرف ہونا چاہیے۔

اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک مومن کے لیے زائد از ضرورت سامان جمع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ جس طرح مسافر اپنے ساتھ زادِ راہ لیتا ہے اسی طرح ایک مومن دنیا سے آخرت کو جا رہا ہے وہ دنیا کا سفر طے کرتے وقت صرف ضروری اور ناگزیر سامان ساتھ رکھے۔ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس لیے شام ہو تو صبح کے انتظار میں نہ رہو اور صبح ہو تو شام کا انتظار مت کرو، کیا معلوم تم جس صبح یا شام کے منتظر ہو۔ وہ تمھیں نصیب ہوں یا نہیں۔ اس لیے بیماری سے قبل صحت کو غنیمت جانو اور آخرت کے لیے اعمال صالحہ کا ذخیرہ کر لو، بیماری میں کچھ نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح چار روزہ زندگی کو غنیمت جانو۔ جو نیکی کر سکتے ہو کر لو۔ موت تمھارے تعاقب میں ہے نہ معلوم کب تمھیں اچک لے۔ اسی قسم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے

«اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً، وَارْتَحَلَتِ الآخِرَةُ مُقْبِلَةً، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُونَ، فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الآخِرَةِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا، فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابَ، وَغَدًا حِسَابٌ وَّلَا عَمَلَ»

''دنیا کا سفر جاری ہے اور آخرت تیزی سے آ رہی ہے، ان میں سے ہر ایک کے بیٹے (پرستار) ہیں۔ پس تم آخرت کے بیٹے (چاہنے والو) بنو، دنیا کے بیٹوں (شیدائیوں) میں سے نہ بنو۔ آج عمل کا موقع ہے حساب نہیں، کل حساب ہوگا اور عمل کی فرصت نہ ہوگی۔''[1]



[1] ذکره البخاری فی ترجمة الباب من صحیحه، الرقاق، باب فی الأمل وطوله



باب ٤١ - اتباع شرع الله تعالیٰ عمادُ الإیمان

اتباع شریعت ایمان کی بنیادی شرط ہے

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ **«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ»**

سیدنا ابومحمد، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی دلی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت اور دین کے تابع نہ ہوں۔'' یہ حدیث حسن صحیح ہے کتاب الحجۃ میں بسند صحیح مروی ہے۔[1]

لغوی تشریح [لَا يُؤْمِنُ] کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا۔ [هَوَاهُ] اس کی خواہشات نفس

[1] یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں نعیم بن حماد المروزی متکلم فیہ راوی ہے۔ اس کے بارے میں علمائے محققین کی مختلف آراء ہیں۔ اگرچہ بعض ائمہ کرام نے ان کو تمسک بالسنہ اور مبتدعہ پر رد کی بنا پر ثقہ بھی قرار دیا ہے لیکن حقیقت میں ضبط، اتقان اور حفظ روایات میں انتہائی کمزور تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب 250/2 میں ان کے بارے میں ان الفاظ سے تبصرہ کیا ہے صدوق، یخطئی کثیرا 'صدوق لیکن کثیر الخطا ہے۔''
یہ بہت سی ایسی ضعیف اور بے اصل روایات میں منفرد ہوتے ہیں جن کو ثقہ ائمہ نے روایت نہیں کیا ہوتا، لہٰذا کثیر الخطا اور اوہام کی بنا پر ان کا تفرد یعنی انفرادیت حجت نہیں۔ اسی لیے بعض ائمہ نے ان کی مختلف روایات پرکھنے کے بعد جب ان کو ضعیف روایات میں منفرد پایا تو ان پر ضعف کا حکم لگا دیا۔ لہٰذا زیر بحث حدیث کو امام نووی رحمہ اللہ کا صحیح قرار دینا محض وہم اور تساہل ہے۔ بلکہ حافظ ابن رجب حنبلی کے بقول اس حدیث کی تصحیح انتہائی بعید از قیاس ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (تهذيب التهذيب 409/10. جامع العلوم والحكم بتحقيق شعيب الأرناؤوط 394/2 مشكوٰة للألباني 59/1)

[لِما جِئتُ بِهٖ] میں جو شریعت لے کر آیا ہوں۔

فوائد قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیشتر مقامات پر بڑی وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی اتباع، اطاعت اور فرماں برداری ہی میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اور ہدایت کو بھی آپ کی اطاعت سے ملزوم کیا گیا ہے۔ پیش نظر حدیث میں بھی تکمیل ایمان کی یہی بنیادی شرط بیان کی گئی ہے۔ ایک مومن کے صرف اعمال ہی نہیں بلکہ دل کی خواہش، آرزو اور تمنا بھی نبی ﷺ کی تعلیمات، ہدایات اور احکام کے تابع ہونی چاہیے۔ اور وہ کسی صورت بھی ان سے سرمو انحراف نہ کرے اور آپ کے فیصلہ اور حکم کو بلا چون و چرا خوش دلی سے تسلیم کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ﴾

"آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"[1]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعتِ رسول، حب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ نبی ﷺ نے جو دین پیش کیا وہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں اسلام نے زریں ہدایات نہ دی ہوں۔ مومن کامل وہی ہے جو کوئی بھی کام انجام دینے سے پہلے یہ سوچے کہ شریعت نے اس کے بارے میں کیا حکم دیا ہے۔ اور حکم آ جانے اور مل جانے کے بعد وہ بلا چون و چرا اسے شریعت کی روشنی میں انجام دے۔ جب تک کوئی شخص اپنے عزائم و اعمال اور اپنے جذبات و خواہشات کو ارشاداتِ نبوی کے تابع نہیں کرتا، اس کا اسلام و ایمان ناقص و نامکمل رہتا ہے۔

---

① آل عمران 31:3



اسی بارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس سلسلہ میں انھیں اگر دنیوی نقصان اٹھانا پڑا تو اسے خوشی سے برداشت کیا یا اپنی طبیعت ومزاج کے خلاف کچھ کرنا پڑا تو انھوں نے اپنی پسند، خواہش و جذبہ کو آپ کے حکم و ہدایات پر قربان کر دیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی دیکھی تو اسے نکال کر پھینک دیا اور فرمایا ''تم آگ کے انگارے اپنے ہاتھوں میں ڈالتے ہو۔'' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم محفل سے تشریف لے گئے تو ساتھیوں نے اس شخص سے کہا تم اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اسے کسی دوسرے کام میں لا کر اس سے نفع اٹھا لینا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہے اب میں اسے ہرگز نہ اٹھاؤں گا۔''[1]

اسی لیے پیش نظر حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک انسان کی خواہشات و جذبات بھی میری ہدایات و تعلیمات کے تابع نہ ہوں گی، کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔



---

[1] صحیح مسلم، اللباس، باب تحریم خاتم الذهب على الرجال، حدیث 2090

باب ٤٢ ۔ سعة مغفرة اللّٰه عزو جل

رحمتِ الٰہی کی وسعت

عَنْ أَنسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**قَالَ اللهُ تَعَالٰى: يَاابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا أُبَالِي، يَاابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ، يَاابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا، ثُمَّ لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا، لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً**»

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا تیرے اعمال جیسے بھی ہوئے میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور مجھے تیرے گناہوں کی کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو اتنے گناہ کر آئے کہ روئے زمین بھر جائے تو میں تیری اتنی ہی مغفرت کر دوں گا، بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔''[1]

لغوی تشریح [آدَمَ] ابوالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام [مَا دَعَوْتَنِي] ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تو

[1] جامع الترمذي، الدعوات، باب الحديث القدسي يا ابن آدم إنك ما دعوتني......، حديث 3540



جب تک مجھے پکارتا رہے گا۔[عَلٰی مَا کَانَ مِنْكَ] تیرے اعمال خواہ کیسے ہی ہوں۔[وَلَا أُبَالِی] مجھے تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں۔[عَنَانَ السَّمَآءِ] عنان، بادل یا بلندی۔ مراد یہ کہ خواہ تیرے گناہ زمین و آسمان کے درمیان خلا ہی کو کیوں نہ بھر دیں۔[بِقُرَابِ الْأَرْضِ] زمین کو بھر دینے والے اعمال۔[لَأَتَیْتُكَ بِقُرَابِهَا] یہ لفظ محض مقابلہ میں استعمال ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

فوائد پیش نظر حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت اور اس کی رحمت کا بیان ہے کہ اللہ کریم اپنے بندوں پر از حد مہربان ہے۔ جب انسان سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے، وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا امیدوار ہو تو اللہ کریم اسے معاف فرما دیتا ہے۔ حتی کہ اگر انسان کے گناہ آسمانوں کی بلندیوں تک بھی جا پہنچیں اور وہ صدقِ دل سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ سے طالبِ مغفرت ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«سَبَقَتْ رَحْمَتِی غَضَبِی»

''میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔''[1]

جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرے تو فلاح پا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾

''اے مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر گناہوں کی معافی مانگو اور توبہ کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[2]

انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

---

① صحیح مسلم، التوبة، باب فی سعة رحمة الله وأنها تغلب غضبه، حدیث 2751

② النور 31:24

رحمتِ الٰہی کی وسعت

صرف کافر ہی نا امید ہوتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا

﴿نَبِّئْ عِبَادِىٓ أَنِّىٓ أَنَا ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾﴾

''میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں بڑا مہربان اور بخشنے والا ہوں۔''[1]

﴿قُلْ يَٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾﴾

''اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے اوپر ظلم وزیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، وہ تو ہر قسم کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بے شک وہی نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں ان میں سے صرف ایک حصہ دنیا کے انسانوں، جنوں، جانوروں اور تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے۔اسی ایک حصہ ہی کی بنا پر یہ تمام ایک دوسرے پر شفقت و رحمت کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے اللہ کے پاس ہیں۔ان کے ذریعے سے اللہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔''[3]

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلا دیتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا رات کی تاریکی میں توبہ کر لے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ دن کو بھی اپنا ہاتھ پھیلا دیتا ہے تاکہ رات کی تاریکی میں گناہ کرنے والا دن کے اجالے میں توبہ کر لے۔ یہ عمل ہمیشہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔اس کے بعد توبہ قبول نہ ہو گی۔''[4]

---

① الحجر 49:15 ② الزمر 53:39

③ صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله ......، حديث 2752

④ صحيح مسلم، التوبة باب قبول التوبة من الذنوب ...... حديث 2759



ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ، ثُمَّ تَابَ، تَابَ اللهُ عَلَيْهِ»

''بندہ گناہ کا اعتراف کرنے کے بعد توبہ کر لے تو اللہ بھی اسے معاف فرما دیتا ہے۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر انسان خطا کار ہے تاہم بہتر ین خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لے۔''[2]



---

① صحیح مسلم، التوبۃ، باب فی حدیث الإفک ......، حدیث 2770

② سنن ابن ماجہ، الزھد، باب ذکر التوبۃ، حدیث 4251

اسلام کے احکام و آداب

اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ ہیں۔ احادیث کی اس سے بڑھ کر اہمیت وافادیت کیا ہوگی کہ اس کی روشنی کے بغیر ہم قرآن کریم کا ترجمہ اور مفاہیم بھی صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے۔ محدثین کرام نے حدیث شریف کی جمع وترتیب کا اہم اور نازک ترین فریضہ نہایت جانفشانی سے انجام دیا، اس طرح انھوں نے نہ صرف اسلام کی بے مثل خدمت انجام دی بلکہ امتِ مسلمہ پر بھی بہت بڑا احسان فرمایا۔

محدثین کرام میں ایک درخشاں نام امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ موصوف نے چالیس احادیث کا ایک جامع مجموعہ مرتب کیا جو ''اربعین نووی'' کے نام سے معروف ہے۔ اس میں فرد اور معاشرے کی صلاح وفلاح کے تمام اصول وآداب یکجا کر دیے گئے ہیں۔ اربعین نووی کی شرح پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ فاضل مدینہ یونیورسٹی نے قرآن مجید اور صحیح احادیث کی روشنی میں نہایت احسن انداز سے کر دی ہے۔ زیرِنظر نیا ایڈیشن مزید تحقیق وتنقیح کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اگر آپ ایسے خوب صورت مسلمان بننا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے راضی رہے تو اس کتاب کا توجہ سے مطالعہ کیجیے۔



دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور • کراچی
اسلام آباد • لندن • هیوسٹن • نیو یارک